محرم الحرام 1433ھ

دسمبر 2011ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

حکمت —— فہمِ قرآن کا سرچشمہ

مکاتیب نبویؐ کی دریافت

حقانیتِ پیغمبر ﷺ کا ثبوت

موجودہ ملکی و ملّی حالات میں ہمارے لیے مصائب و مشکلات
سے بچاؤ کا واحد راستہ انفرادی اور اجتماعی توبہ ہے!

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور

موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

بانی تنظیم اسلامی و مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے دو فکر انگیز خطابات، یکجا کتابی صورت میں

عمدہ طباعت ❁ خوبصورت ٹائٹل ❁ 76 صفحات

قیمت: اشاعت خاص: 60 روپے، اشاعت عام: 30 روپے

مکتبہ خُدّامُ القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042

ای میل: maktaba@tanzeem.org

مشمولات

عرضِ احوال ــــــــ 3

نیا چہرہ!

حافظ عاکف سعید

بیانُ القرآن ــــــــ 5

سورۃ الاعراف (آیات ۱۴۲ تا ۱۵۷)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دین و دانش ــــــــ 23

حکمت — فہم قرآن کا سرچشمہ

عتیق الرحمٰن صدیقی

عکسِ سیرت ــــــــ 31

مکاتیب نبویؐ کی دریافت

حافظ محمد زاہد

حسنِ معاشرت ــــــــ 43

اصلاحِ رسوم

حافظ محمد زبیر

نقد و نظر ــــــــ 65

مولانا وحید الدین خان کی بے خبری یا تجاہل عارفانہ

مفتی محمد سعید خان

آئینۂ ایّام ــــــــ 82

مسلمان بمقابلہ گزشتہ اقوام - اور - فریادِ انسان

سید اویس ہاشمی

❁ ❁ ❁

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

جلد :	60
شمارہ :	12
محرم الحرام	1433ھ
دسمبر	2011ء
فی شمارہ	25/-

مُدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

❁ اندرون ملک	250 روپے
❁ بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
❁ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
❁ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: **www.tanzeem.org**

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36316638 - 36366638 فیکس: 36271241

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحِیم

نیا چہرہ!

گزشتہ دنوں تحریک انصاف کے تحت شہر لاہور کے قلب مینار پاکستان کے وسیع و عریض میدان میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس نے ملک کی سیاسی فضا میں ایک ہلچل سی مچا دی۔ جلسے میں حاضرین اور ''حاضرات'' کی غیر معمولی تعداد' اُن کا جوش و خروش اور جذبۂ شوق دیدنی تھا۔ چنانچہ میڈیا میں اس کی کوریج بھی بھرپور طور پر ہوئی اور اس کے حوالے سے ملکی اور غیر ملکی سطح پر تبصرے اور تجزیے بھی بکثرت ہوئے۔ اس جلسے کے نتیجے میں عمران خان پاکستان کی سیاسی فضا میں ایک حقیقی سیاسی لیڈر کے طور پر ابھر کر سامنے آئے اور دیگر پرانی سیاسی پارٹیوں کے مقابلے میں ایک نسبتاً نوزائیدہ سیاسی جماعت ''تحریکِ انصاف'' ایک عوامی پارٹی کے روپ میں متعارف ہوئی۔

عمران خان کو پاکستان کے سیاسی اکھاڑے میں قدم رکھے کم و بیش پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ قبل ازیں وہ کھیل کے میدان میں ملکی سطح پر ایک ہیرو کے طور پر جانے جاتے تھے۔ ان کے پرستاروں کی تعداد بھی لاکھوں نہیں کروڑوں میں تھی۔ پھر شوکت خانم ہسپتال کے حوالے سے اُن کے جذبۂ خدمتِ خلق اور ان کی انتظامی صلاحیتوں کی بھی ایک دنیا معترف تھی۔ تاہم سیاست کے میدان میں ان کی حیثیت تا حال ایک طفلِ مکتب کی تھی۔ وہ اپنے قلندرانہ اور کسی قدر تحکمانہ اور بے لچک مزاج کی وجہ سے ملکی انتخابی سیاست کے مخصوص آداب اور راہ و رسم سے ہم آہنگ نہ ہو پائے تھے' جہاں اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی بجائے مفاد پرستی اور مصلحت کوشی کا راج ہے اور بے اصولی ہی اولین اصول کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ انہوں نے ''انصاف'' کا نعرہ بلند کر کے عوام کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی ایک مثبت کوشش کی تھی' ملکی سیاسی میدان میں اُن کی حیثیت ''یوسفِ بے کارواں'' کی سی رہی۔ لیکن اب حالیہ جلسے کے بعد بلاشبہ وہ ایک بڑے عوامی لیڈر کے طور پر خود کو منوانے میں کامیاب ہوئے ہیں اور تحریک انصاف ایک ایسی عوامی سیاسی پارٹی کی حیثیت سے سامنے آئی ہے جسے نظر انداز کر دینا اب ممکن نہ ہوگا۔ بلکہ اب وہ ملکی سطح کی دو بڑی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ایک تھرڈ آپشن کے طور پر شمار کی جانے لگی ہے۔

ایسا کیوں ہوا؟ —— کیسے ہوا؟ ایک رائے یہ ہے کہ عمران خان بھی اب ملکی سیاست کے مخصوص رنگ میں رنگے گئے ہیں اور سیاست کے وہ داؤ پیچ اور مخصوص ہتھکنڈے جو بے اصولی اور بے ضمیری سے عبارت ہیں' عمران نے بھی سیکھ لیے ہیں اور اپنی سابق اصول پسندی سے تائب ہو گئے ہیں کہ یہ اصول پسندی ہی اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ چنانچہ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بعض تجزیہ نگار یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ کچھ ملکی و غیر ملکی نادیدہ قوتیں جو آج تک پاکستانی سیاست کو خفیہ طور پر کنٹرول کرتی رہی

ہیں' اب عمران خان کی پشت پر ہیں' وغیرہ۔ عمران خان کے بعض حالیہ بیانات سے اور بعض دیگر قرائن سے ان شبہات کی تائید ہوتی ہے' جن میں سے ایک معاملہ میدانِ سیاست کے فصلی بٹیروں کا یکا یک ان کے گرد جمع ہو جانا بھی ہے۔ تاہم اس بارے میں ہم کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتے۔ ہمارے نزدیک عمران خان کی طرف عوام کے میلان کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ لوگ تبدیلی چاہتے ہیں۔ ملکی سیاست کے میدان میں برسرِ پیکار دو بڑی سیاسی جماعتوں' پی پی پی اور مسلم لیگ (ن) دونوں سے عوام مایوس اور بیزار نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں پارٹیاں اور بالخصوص ان میں وہ پارٹی جو ''عوامی پارٹی'' ہونے کی دعوے دار ہے' عوام کے مفادات کی حفاظت میں بھی اسی طرح ناکام ہوئی جیسے وہ ملکی و ملی مفادات کے تحفظ میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ عوام کی ایک بڑی تعداد اور ملک کے باشعور طبقات کا بھی ایک بڑا حصہ اب تبدیلی چاہتا ہے اور تھرڈ آپشن یعنی تحریک انصاف سے آس لگائے بیٹھا ہے!

ہم اپنے قارئین کو یاد دلانا چاہیں گے کہ ''تبدیلی کی خواہش'' کی قومی نفسیات سے آج تک ہمارے دشمن فائدہ اُٹھاتے آئے ہیں۔ بحیثیت قوم ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم خود کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب ہماری شامتِ اعمال کے نتیجے میں نااہل اور بے انصاف حکمران اُس عظیم نادیدہ قوت کی طرف سے ہم پر مسلط کر دیے جاتے ہیں جو کُل کائنات کی خالق و مالک ہے' تو بجائے اس کے کہ ہم اپنے معاملات کو درست کریں' اللہ اور اس کے دین کے ساتھ عمومی بے وفائی کی روش کو ترک کریں' ہم حکمرانوں کی تبدیلی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ پھر زیادہ دن نہیں گزرتے کہ اپنے ہی منتخب کردہ حکمرانوں کو بددعائیں دیتے ہیں' اور جب کوئی آمر فوجی قوت کے بل پر جمہوری نظام کو تہہ و بالا کر دیتا ہے تو مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔ پھر اُس فوجی آمر کا حقیقی روپ سامنے آتا ہے تو ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ یہ کسی طرح ہٹ جائے تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ وہ خدا خدا کر کے ہٹایا جاتا ہے تو پھر کسی ''زردار'' کو ہم اپنے سر پر بٹھا کر چند دن کے لیے سکھ کا سانس لیتے ہیں' لیکن پھر اپنے نصیبوں پر گریہ وزاری شروع کر کے اس سے چھٹکارے کی دعائیں کرتے ہیں۔ یہی تاریخ بار بار دہرائی جاتی ہے۔ ''خر آمد و گاؤ رفت'' اور ''گاؤ آمد و خر رفت'' کا یہ کھیل گزشتہ نصف صدی سے جاری ہے' جس کی سرپرستی کچھ خفیہ عالمی طاقتیں کرتی ہیں جو درحقیقت اسلام اور پاکستان کے خلاف ایجنڈا رکھتی ہیں۔ نیا چہرہ جب بھی سامنے آتا ہے' وہ جزوی اصلاحات کی کوشش کرتا ہے' لیکن یہ ہنی مون پیریڈ بہت مختصر ہوتا ہے۔ چنانچہ جلد ہی یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہے بلکہ صورتحال بدتر ہے۔

جان لیجیے' یہ ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ اس ملک میں حقیقی اور دیرپا تبدیلی تبھی آ سکتی ہے اور ملک کو حقیقی استحکام تبھی نصیب ہوگا جب حقیقی معنوں میں اللہ کا دین یہاں قائم و سربلند ہوگا اور ملک گیر سطح پر شریعت محمدیؐ کا نفاذ ہوگا۔ اور یہ کام انہی لوگوں کے ذریعے سے ہوگا جو اللہ' اس کے رسولؐ اور دین اسلام کے سچے وفادار ہوں گے۔ بصورت دیگر تبدیلی کے خوابوں ہی پر گزارا کرنا ہوگا۔ چہرہ تبدیل ہو سکتا ہے' حقیقی تبدیلی نہیں آ سکتی!!

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الاعراف

آیات ۱۴۲ تا ۱۴۷

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ
اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى
صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ
يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَي النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ڮ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ
وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً
وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ
سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ
الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ
الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

آیت ۱۴۲ ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾ ”اور ہم نے بلایا موسیٰؑ کو تیس راتوں کے لیے“

یعنی کوہِ سینا (طور) پر طلب کیا۔ عام طور پر اس طرح کہنے سے دن رات ہی مراد ہوتے ہیں‘ لیکن عربی محاورہ میں رات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

﴿وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ﴾ ”اور مکمل کر دیا ہم نے اس مدت کو دس (مزید راتوں) سے‘ تو مدت پوری ہوگئی اس کے رب کی چالیس راتوں کی۔“

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر ”چلّہ“ مکمل کیا‘ جس کے دوران آپ نے لگاتار روزے بھی رکھے۔ ہمارے ہاں صوفیاء نے چلّہ کاٹنے کا تصور غالباً یہیں سے لیا ہے۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ”اور (جاتے ہوئے) کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہ میری قوم کے اندر میری نیابت کے فرائض ادا کرنا‘ اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔“

آیت ۱۴۳ ﴿وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ﴾ ”اور جب موسیٰؑ پہنچے ہمارے وقتِ مقررہ پر اور ان سے کلام کیا ان کے رب نے“

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ ”انہوں نے درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے“

﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ﴾ ”لیکن ذرا اس پہاڑ کو دیکھو‘ اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہ جائے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔“

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ ”تو جب اُس کے رب نے اپنی تجلی ڈالی پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ“

جلا یَجلُو جلاءً کے معنی ہیں ظاہر کرنا‘ روشن کرنا۔ اس سے ”تجلّی“ باب تفعل ہے‘ یعنی کسی چیز کا خود روشن ہو جانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی تھی جو پہاڑ پر ڈالی گئی جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

﴿وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾ ''اور موسیٰؑ گر پڑے بے ہوش ہو کر''

تجلیٔ باری تعالیٰ کے اس بالواسطہ مشاہدے کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔ پہاڑ پر تجلی کا پڑنا تھا کہ آپؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾﴾ ''پھر جب آپؑ کو افاقہ ہوا تو کہا کہ (اے اللہ!) تو پاک ہے' میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں ہوں پہلا ایمان لانے والا!''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سوال کی جسارت پر توبہ کی اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں تجھے دیکھے بغیر سب سے پہلے تجھ پر ایمان لانے والا ہوں۔

آیت ۱۴۴ ﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: اے موسیٰؑ میں نے تمہیں منتخب کیا ہے لوگوں پر (ترجیح دے کر) اپنی پیغمبری اور اپنی ہم کلامی کے لیے۔''

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتیازی مقام تھا' جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾﴾۔

﴿فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ ''تو لے لو جو میں تمہیں دے رہا ہوں اور ہو جاؤ شکر کرنے والوں میں۔''

یعنی یہ الواح جو ہم آپؑ کو دے رہے ہیں انہیں لے لو اور ان میں جو احکام لکھے ہوئے ہیں ان کا حق ادا کرو۔

آیت ۱۴۵ ﴿وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے لکھ دی اُسؑ کے لیے تختیوں پر ہر طرح کی نصیحت اور ہر طرح (کے احکام) کی تفصیل۔''

یعنی شریعت کے تمام بنیادی احکام ان الواح میں درج کر دیے گئے تھے۔ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے بنیادی احکام شاہراہِ حیات پر انسان کے لیے گویا danger signals کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے کسی پُر پیچ پہاڑی سڑک پر سفر کو محفوظ بنانے کے لیے جگہ جگہ danger

cautions نصب کیے جاتے ہیں اسی طرح انسانی تمدن کے پیچیدہ راستے پر آسمانی شریعت اپنے احکامات کے ذریعے caution نصب کر کے انسانی تگ و دو کے لیے ایک محفوظ دائرہ مقرر کر دیتی ہے تاکہ انسان اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے' اپنی عقل کو بروئے کار لا کر اپنی مرضی اور پسند ناپسند کے مطابق زندگی گزارے۔ اس دائرے کے باہر ''محرمات'' ہوتے ہیں جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے کہ ان کے قریب بھی مت جانا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)۔

﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ﴾ ''تو (اے موسیٰ علیہ السلام) اس کو تھام لو مضبوطی کے ساتھ اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ وہ اس کو پکڑیں اس کی بہترین صورت پر۔''

کسی بھی حکم پر عمل درآمد کے لیے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ یہ عمل درآمد ادنیٰ درجے میں بھی ہو سکتا ہے' اوسط درجے میں بھی اور اعلیٰ درجے میں بھی۔ لہٰذا یہاں مطلب یہ ہے کہ آپؑ اپنی قوم کو ترغیب دیں کہ وہ احکامِ شریعت پر عمل کرتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں۔ یہی نکتہ ہم مسلمانوں کو بھی قرآن میں بتایا گیا: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ﴾ (الزمر:۱۸) یعنی وہ لوگ کلام اللہ کو سنتے ہیں پھر جو اس کی بہترین بات ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں ڈھیل اور رعایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ امتیازی پوزیشن نہ سہی' فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن بھی نہ سہی' بس pass marks کافی ہیں' لیکن یہ معاملہ ''دین'' میں نہیں ہونا چاہیے۔ دینی امور میں عمل کا اچھے سے اچھا اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار قائم کرنے کی کوشش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم سورۃ المائدۃ میں بھی پڑھ آئے ہیں: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾۔ دُنیوی اُمور میں تو ہر شخص ع ''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!'' کے نظریے کا حامل نظر آتا ہی ہے' لیکن دین کے سلسلے میں بھی ہر مسلمان کی کوشش ہونی چاہیے کہ اس کا آج اس کے کل سے بہتر ہو۔ دینی امور میں بھی وہ ترقی کے لیے حتی الامکان ہر گھڑی کوشاں رہے۔

﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾﴾ ''عنقریب میں تمہیں گھر دکھاؤں گا (جس پر

اس وقت قبضہ ہے) فاسقوں کا۔‘‘

اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جس پر حملہ آور ہونے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والا تھا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ مصر سے نکلنے کے بعد خلیج سویز کو عبور کر کے صحرائے سینا میں داخل ہوا تو خلیج سویز کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا' یہاں تک کہ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی کونے میں پہنچ گیا جہاں کوہِ طور واقع ہے۔ یہاں پر اس قافلے کا طویل عرصے تک قیام رہا۔ یہیں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر طلب کیا گیا اور جب آپؑ تورات لے کر واپس آئے تو آپؑ کو فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم ملا۔ چنانچہ یہاں سے یہ قافلہ خلیج عقبیٰ کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ بنی اسرائیل سات آٹھ سو سال قبل حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر فلسطین چھوڑ کر مصر میں آ بسے تھے۔ اب فلسطین میں وہ مشرک اور فاسق قوم قابض تھی جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ سخت اور زور آور لوگ ہیں۔ چنانچہ جب ان کو حکم ملا کہ جا کر اس قوم سے جہاد کرو تو انہوں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی کہ ایسے طاقتور لوگوں سے جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہیں: ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ﴾ (المائدۃ: ۲۲) اس واقعے کی تفصیل سورۃ المائدۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسی مہم کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں عنقریب تم لوگوں کو اس سرزمین کی طرف لے جاؤں گا جو تمہارا اصل وطن ہے لیکن ابھی اس پر فاسقوں کا قبضہ ہے۔ ان نافرمان لوگوں کے ساتھ جنگ کر کے تم نے اپنے وطن کو آزاد کرانا ہے۔

آیت ۱۴۶ ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ﴾ ’’میں پھیر دوں گا اپنی آیات سے ان لوگوں (کے رُخ) کو جو زمین میں ناحق تکبّر کرتے ہیں۔‘‘

یہاں ایک اصول بیان فرما دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر تکبر ہوتا ہے ہم خود ان کا رخ اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیتے ہیں' چنانچہ وہ ہماری آیات کو سمجھ ہی نہیں سکتے' ان پر غور کر ہی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ))(۱) یعنی تکبر میری چادر ہے' اگر کوئی انسان تکبر کرتا ہے تو وہ گویا میری چادر میرے شانے سے گھسیٹ رہا ہے' لہٰذا ایسے ہر انسان کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب اللباس' باب ما جاء فی الکبر۔

فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ))(۱) ’’وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبّر ہے‘‘۔ چنانچہ آیت زیر نظر کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر تکبر ہے ہم خود انہیں اپنی آیات سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم اس لائق ہی نہیں سمجھتے کہ وہ ہماری آیات کو دیکھیں اور سمجھیں۔ ایسے مغرور لوگوں کو ہم سیدھی راہ کی طرف توجہ مرکوز کرنے ہی نہیں دیتے۔

﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ﴾ ’’اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ساری نشانیاں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘

﴿وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ﴾ ’’اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ہدایت کا راستہ تب بھی اس راستے کو اختیار نہیں کریں گے۔‘‘

﴿وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ﴾ ’’اور اگر وہ دیکھیں برائی کا راستہ تو اسے وہ (فوراً) اختیار کر لیں گے۔‘‘

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۱۴۶﴾ ’’یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تغافل برتتے رہے۔‘‘

آیت ۱۴۷ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ﴾ ’’اور جو لوگ بھی جھٹلائیں گے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو' ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔‘‘

ایسے لوگ اپنے تئیں بڑی بڑی نیکیاں کما رہے ہوں گے' مگر اللہ کے ہاں ان کی اِن نیکیوں کا کوئی صلہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قریشِ مکہ خود کو ’’خادمینِ کعبہ‘‘ سمجھتے تھے' وہ کعبہ کی صفائی اور ستھرائی کا خصوصی اہتمام کرتے' حاجیوں کی خدمت کرتے' ان کے لیے دودھ اور پانی کی سبیلیں لگاتے' مگر محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر ایمان لائے بغیر ان کے ان سارے اعمال کی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔

﴿هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۴۷﴾ ’’اور ان کو نہیں دیا جائے گا بدلے میں مگر وہی کچھ جو وہ کرتے رہے تھے۔‘‘

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم الکبر وبیانہ۔ وسنن الترمذی' ابواب البر والصلۃ' باب ماجاء فی الکبر' واللفظ لہ۔

آیات ۱۴۸ تا ۱۵۳

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِہٖ مِنْ حُلِیِّھِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُھُمْ وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْہُ وَکَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْھِمْ وَرَاَوْا اَنَّھُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّکُمْ ۚ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْہِ یَجُرُّہٗۤ اِلَیْہِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ ۫ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُھُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَذِلَّۃٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِھَا وَاٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾

آیت ۱۴۸ ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِہٖ مِنْ حُلِیِّھِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ ؕ﴾

''اور بنا لیا موسٰیؑ کی قوم نے آپؑ کے بعد اپنے زیورات سے بچھڑے کا سا ایک جسم جس سے گائے کی سی آواز آتی تھی۔''

جب حضرت موسٰی علیہ السلام کوہِ طور پر چلے گئے تو آپؑ کی قوم کے ایک فرد نے یہ فتنہ اٹھایا' جس کا نام سامری تھا۔ اس نے سونے کا ایک مجسمہ بنانے کا منصوبہ بنایا اور اس غرض سے اس نے سب لوگوں سے زیورات اکٹھے کر لیے۔ روایات کے مطابق یہ زیورات زیادہ تر مصر کے مقامی لوگوں (قبطیوں) کے تھے جو انہوں نے بنی اسرائیل کے لوگوں کے پاس امانتاً رکھوائے ہوئے تھے۔ فرعونیوں کے ہاتھوں اپنی تمام تر ذلت و خواری کے باوجود معاشرے میں بنی اسرائیل کی اخلاقی ساکھ ابھی تک کسی نہ کسی سطح پر اس وجہ سے موجود تھی کہ یہ لوگ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے مقامی لوگ اپنی قیمتی چیزیں ان کے ہاں بطور امانت رکھ دیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ حضرت موسٰی علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو اس وقت بھی ان کے بہت سے لوگوں کے پاس قبطیوں کے بہت سے زیورات امانتوں کے طور پر موجود تھے۔ چنانچہ وہ زیورات ان کے مالکوں کو واپس کرنے کی بجائے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ سامری نے ایک منصوبے کے تحت سارے قافلے سے وہ زیورات اکٹھے کیے۔ باقاعدہ ایک بھٹی بنا کر ان زیورات کو گلایا اور بچھڑے کی شکل اور جسامت کا ایک مجسمہ تیار کر دیا۔ اس نے ایک ماہر کاریگر کی طرح اس مجسمے کو بنایا' سنوارا اور اس میں کچھ سوراخ اس طرح سے رکھے کہ جب ان میں سے ہوا گزرتی تھی تو گائے کے ڈکارنے جیسی آواز سنائی دیتی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد سامری نے اعلان کر دیا کہ یہ بچھڑا تم لوگوں کا خدا ہے اور موسٰیؑ کو دراصل مغالطہ ہو گیا ہے جو خدا سے ملنے کوہِ طور پر چلے گئے ہیں۔

اس میں ایک اور نکتہ قابل توجہ ہے' وہ یہ کہ حضرت موسٰی علیہ السلام محبت اور جذبہ اشتیاق میں وقتِ مقررہ سے پہلے ہی کوہِ طور پر چلے گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب طلبی بھی ہوئی تھی' جس کے بارے میں ہمیں کچھ اشارہ سورۂ طٰہٰ میں ملتا ہے: ﴿وَمَاۤ اَعْجَلَکَ عَنْ قَوْمِکَ یٰمُوْسٰی ﴿۸۳﴾﴾ ''اے موسٰی! تم اپنی قوم کو چھوڑ کر قبل از وقت کیوں آ گئے ہو؟'' اس پر آپؑ نے جواب دیا: ﴿وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی ﴿۸۴﴾﴾ کہ پروردگار! میں تو تیری محبت اور تجھ سے گفتگو کرنے کے شوق میں اس لیے جلدی آیا تھا کہ تو اس سے خوش ہو گا۔ گویا آپؑ تو فرطِ اشتیاق میں شاباش کی توقع رکھتے تھے۔ لیکن یہاں ڈانٹ پڑ گئی: ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَکَ مِنْۢ بَعْدِکَ وَاَضَلَّھُمُ السَّامِرِیُّ ﴿۸۵﴾﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو (آپؑ کی اس عجلت کی وجہ سے) آپؑ کے بعد ہم نے آپؑ کی قوم کو فتنے میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے''۔ گویا خیر اور بھلائی کے معاملے میں بھی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے اور ہر کام قاعدے' کلیے کے مطابق ہی کرنا چاہیے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے: ''سہج پکے سو میٹھا ہو!''

﴿اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُھُمْ وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا ۘ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ نہ وہ ان سے کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ انہیں راستہ بتا سکتا ہے!''

اگرچہ اس مجسمے سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ کوئی بامعنی بات کرنے کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی کسی انداز میں وہ ان کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود:

﴿اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۱۴۸﴾ ''اسی کو وہ (معبود) بنا بیٹھے اور وہ تھے بہت ظالم!''

بنی اسرائیل نے اسی بچھڑے کو اپنا معبود مان کر اس کی پرستش شروع کر دی اور اس طرح شرک جیسے ظلم عظیم کے مرتکب ہوئے۔ ظالم سے یہ بھی مراد ہے کہ وہ اپنے اوپر بڑے ظلم ڈھانے والے تھے۔

آیت ۱۴۹ ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا﴾ ''اور جب ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے (ان کو پچھتاوا ہوا) اور انہیں احساس ہوا کہ وہ تو گمراہ ہو گئے ہیں''

﴿قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۱۴۹﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے ربّ نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمیں بخش نہ دیا تو ہم ہو جائیں گے بہت خسارہ پانے والوں میں سے۔''

اس معاملے میں وہ لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ قوم کا ایک بڑا حصہ وہ تھا جو اس گناہ میں بالکل شریک نہیں ہوا۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو کچھ دیر کے لیے اس گناہ میں شریک ہوئے، لیکن فوراً انہیں احساس ہو گیا کہ اُن سے غلطی ہو گئی ہے۔ تیسرا گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک اس شرک پر اڑا رہا۔ یہاں درمیانی گروہ کے لوگوں کا ذکر ہے کہ غلطی کے بعد وہ نادم ہوئے اور انہیں سمجھ آ گئی کہ وہ گمراہی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔

آیت ۱۵۰ ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ ''اور جب موسیٰؑ لوٹے اپنی قوم کی طرف سخت غضبناک ہو کر افسوس میں''

غَضْبَان، رَحْمٰن کی طرح فَعلان کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی آپؑ نہایت غضبناک تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج بھی جلالی تھا اور قوم کے جرم اور گمراہی کی نوعیت بھی بہت شدید تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر ہی بتا دیا تھا کہ تمہاری قوم فتنہ میں پڑ چکی ہے لہٰذا ان کا غم و غصہ اور رنج و افسوس بالکل بجا تھا۔

﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ﴾ ''آپؑ نے فرمایا بہت بری ہے میری نیابت جو تم نے کی ہے میرے بعد۔''

یہ خطاب حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی ہو سکتا ہے اور اپنی پوری قوم سے بھی۔

﴿اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ﴾ ''کیا تم نے اپنے رب کے معاملے میں جلدی کی؟''

یعنی اگر سامری نے فتنہ کھڑا کر ہی دیا تھا تو تم لوگ اس قدر جلد بغیر سوچے سمجھے اس کے کہنے میں آ گئے؟ کم از کم میرے واپس آنے کا ہی انتظار کر لیتے!

﴿وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ﴾ ''اور آپؑ نے وہ تختیاں (ایک طرف) ڈال دیں''

کوہِ طور سے جو تورات کی تختیاں لے کر آئے تھے وہ ابھی تک آپؑ کے ہاتھ میں ہی تھیں، تو آپؑ نے ان تختیوں کو ایک طرف زمین پر رکھ دیا۔

﴿وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ﴾ ''اور (غصے میں) اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ میں تمہیں اپنا خلیفہ بنا کر گیا تھا، میرے پیچھے تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے قوم کے لوگوں کو اس بچھڑے کی پوجا کرنے سے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

﴿قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ﴾ ''(ہارون علیہ السلام نے) کہا کہ اے میرے ماں جائے، حقیقت میں قوم نے مجھے دبا لیا تھا اور وہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے''

میں نے تو ان لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا، لیکن انہوں نے مجھے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اس معاملے میں ان لوگوں نے اس حد تک جسارت کی تھی کہ وہ میری جان کے درپے ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ﴾ ''تو (دیکھیں اب) دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں''

''شماتتِ اَعداء'' کا محاورہ ہمارے ہاں اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی کسی کی توہین اور بے عزتی پر اس کے دشمنوں کا خوش ہونا اور ہنسنا۔ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے درخواست کی کہ اب اس طرح میرے بال کھینچ کر آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔

﴿وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۱۵۰﴾ ''اور مجھے ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجیے۔''

آپ مجھے ان ظالموں کے ساتھ شمار نہ کیجیے۔ میں اس معاملے میں ہرگز ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں تو انہیں اس حرکت سے منع کرتا رہا تھا۔

آیت ۱۵۱ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۡ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ ’’(تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کرتے ہوئے) کہا کہ اے میرے پروردگار! بخش دے مجھے بھی اور میرے بھائی کو بھی اور ہمیں داخل فرما اپنی رحمت میں ‘اور تو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

اس دُعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:

آیت ۱۵۲ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۭ﴾ ’’یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا‘ عنقریب ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذِلت دنیا کی زندگی میں۔‘‘

’’غضب‘‘ سے آخرت کا غضب بھی مراد ہے اور قتل مرتد کی وہ سزا بھی جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ میں پڑھ آئے ہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ’’اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔‘‘

آیت ۱۵۳ ﴿وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾﴾ ’’البتہ جن لوگوں نے (کچھ دیر کے لیے) برے کام کیے پھر توبہ کرلی اس کے بعد اور ایمان لے آئے‘ تو یقیناً اس کے بعد آپؐ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

وہ لوگ جن سے اس غلطی کا ارتکاب تو ہوا مگر انہوں نے اس سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کرلی‘ ایسے تمام لوگوں کا معاملہ اُس اللہ کے سپرد ہے جو بخشنے والا اور انسانوں پر رحم کرنے والا ہے۔ البتہ جو لوگ اُس جرم پر اڑے رہے ان پر آخرت سے پہلے دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کا غضب مسلط ہوا۔ اس کی تفصیل سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ کے تحت گزر چکی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ہر قبیلہ کے مؤمنین مخلصین کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کے ان مجرمین کو قتل کر دیں جنہوں نے گوسالہ پرستی کا ارتکاب کیا۔ صرف وہ لوگ قتل سے بچے جنہوں نے توبہ کر لی

تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے سورۃ المائدۃ میں آیاتِ محاربہ (آیات ۳۳ اور ۳۴) میں ہم نے پڑھا کہ اگر ڈاکو‘ راہزن وغیرہ ملک میں فساد مچا رہے ہوں‘ لیکن متعلقہ حکام کے قابو میں آنے سے پہلے وہ توبہ کرلیں تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ ہوسکتا ہے بلکہ انہیں معاف بھی کیا جاسکتا ہے‘ لیکن اگر انہیں اسی بغاوت کی کیفیت میں گرفتار کرلیا جائے تو پھر ان کی سزا بہت سخت ہے۔

آیات ۱۵۴ تا ۱۵۷

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ښ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ۭ قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۡ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ۭ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

آیت ۱۵۴ ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾ ’’اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا تو

انہوں نے وہ تختیاں اٹھالیں' اور اس کی تحریر میں تھی رحمت اور ہدایت ان لوگوں کے لیے جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں۔''

آیت ۱۵۵ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ﴾ ''اور انتخاب کیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر افراد کا ہمارے وقت مقرّرہ کے لیے۔''

وہ لوگ جو آخری وقت تک اس مشرکانہ فعل پر قائم رہے انہیں قتل کر دیا گیا۔ اب اس تطہیر (purge) کے بعد اجتماعی توبہ کا مرحلہ تھا' جس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کے ستر (۷۰) سرکردہ افراد کو ساتھ لے کر کوہِ طور پر حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔

﴿فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ ''پھر جب انہیں آ پکڑا زلزلے نے''

کوہِ طور پر یا اس کے مضافات میں ان لوگوں کے لیے جسمانی کپکپی یا زمینی زلزلے جیسی خوفناک کیفیت پیدا کر دی گئی۔

﴿قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ﴾ ''(موسیٰ علیہ السلام نے) نے عرض کیا کہ اے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا پہلے ہی ان سب کو بھی اور مجھے بھی۔''

﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ﴾ ''تو کیا تو ہمیں ہلاک کر دے گا ہم میں سے کچھ بے وقوف لوگوں کی حرکت کی وجہ سے؟''

قوم کے کچھ جاہل لوگوں نے جو حرکت کی تھی انہیں اس کی سزا بھی مل گئی ہے۔ ہم نے اتنا بڑا کفارہ دے دیا ہے کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل بھی کر دیا ہے۔ تو کیا ان کی وجہ سے تو پوری قوم کو ہلاک کر دے گا؟

﴿اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ﴾ ''مگر یہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے' تو گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ١٥٥﴾ ''تو ہمارا پشت پناہ ہے' پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور یقیناً تمام بخشنے والوں میں تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔''

آیت ۱۵۶ ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اور تو ہمارے لیے اس دُنیا (کی زندگی) میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے جو دعا کی' یہ وہی الفاظ ہیں جو سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں کو سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٢٠١﴾۔

﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ﴾ ''ہم تیری جناب میں رجوع کرتے ہیں۔''

یعنی ہم سے جو خطا ہوگئی ہے اس کا اعتراف کرتے ہوئے ہم معافی چاہتے ہیں۔

﴿قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا کہ میں عذاب میں مبتلا کروں گا جس کو چاہوں گا' اور میری رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔''

یعنی میری ایک رحمت تو وہ ہے جو ہر شے کے شاملِ حال ہے' ہر شے پر محیط ہے۔ ہر شے کا وجود اور بقا میری رحمت ہی سے ممکن ہے۔ یہ پوری کائنات اور اس کا تسلسل میری رحمت ہی کا مرہونِ منت ہے۔ میری اس رحمتِ عامہ سے میری تمام مخلوقات حصہ پا رہی ہیں' لیکن جہاں تک میری رحمتِ خاصہ کا تعلق ہے جس کے لیے تم لوگ ابھی سوال کر رہے ہو:

﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ١٥٦﴾ ''تو اسے میں لکھ دوں گا ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں گے' زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو لوگ ہماری آیات پر پختہ ایمان رکھیں گے۔''

آیت ۱۵۷ ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ ''جو اتّباع کریں گے رسولِ نبی اُمّی (ﷺ) کا''

یعنی ہمارے نبی اُمّی ﷺ کا اتباع کریں گے جن کو رسول بنا کر بھیجا جائے گا۔ محمد عربی ﷺ نے دُنیوی اعتبار سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ آپ ﷺ دُنیوی معیار کے مطابق پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ بھی اُمی تھے اور جن لوگوں میں آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا وہ بھی اُمی تھے' کیونکہ اُن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کوئی کتاب تھی نہ کوئی شریعت۔

﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ﴾ ''جسے پائیں گے

وہ لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں‘‘

یعنی آخری نبی ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں‘ آپ ﷺ کے حالات‘ اور آپ ﷺ کے بارے میں واضح علامات اُن کو تورات اور انجیل دونوں میں ملیں گی۔

﴿یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ﴾ ’’وہ انہیں نیکی کا حکم دیں گے‘ تمام برائیوں سے روکیں گے اور ان کے لیے تمام پاک چیزیں حلال کردیں گے‘‘

بنی اسرائیل پر کچھ چیزیں ان کی شرارتوں کی وجہ سے بھی حرام کردی گئی تھیں‘ جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۰) میں ہم پڑھ آئے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ نبی اُمی ﷺ ان پر سے ایسی تمام بندشیں اٹھا دیں گے اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کردیں گے۔

﴿وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ﴾ ’’اور حرام کردیں گے ان پر ناپاک چیزوں کو‘ اور ان سے اتار دیں گے ان کے بوجھ اور طوق جو ان (کی گردنوں) پر پڑے ہوں گے۔‘‘

یہ بوجھ اور طوق وہ بے جا اور خود ساختہ پابندیاں اور رسومات بھی ہیں جو معاشرے کے اندر کسی خاص طبقہ کے مفادات یا نمود و نمائش کی خواہش کی وجہ سے رواج پاتی ہیں‘ بعد میں غریب لوگوں کو انہیں نبھانا پڑتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب ان کی وجہ سے ایک عام آدمی کی زندگی انتہائی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے کی بلند ترین سطح پر بھی بڑی بڑی قباحتیں اور لعنتیں جنم لیتی ہیں جن کے بوجھ تلے مختلف اقوام بری طرح پس جاتی ہیں۔ مثلاً بادشاہت کا جبر‘ جاگیرداری کا استحصالی نظام‘ سیاسی و معاشی غلامی‘ رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانیت میں تفریق وغیرہ۔ تو اس آیت میں بشارت دی جا رہی ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ آئیں گے اور انسانیت کو غلط رسومات‘ خود ساختہ عقائد اور نظام ہائے باطلہ کے بوجھوں سے نجات دلا کر عدل اور قسط کا نظام قائم کریں گے۔

اس کے بعد حضور ﷺ کے ساتھ تعلق کی شرائط مذکور ہیں جن میں سے ہر شرط پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لیے میرے کتابچے بعنوان: ’’نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں‘‘ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

﴿فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ﴾ ’’تو جو لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان لائیں گے‘‘

یہ پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے دو بنیادی تقاضے ہیں‘ پہلا تقاضا ہے آپ ﷺ کی اطاعت اور دوسرا تقاضا ہے آپ ﷺ کی محبت۔ ان دونوں تقاضوں کے بارے میں دو احادیث ملاحظہ کیجیے۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ))(۱) ’’تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہے جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس تابع نہ ہو جائے اس چیز کے جو میں (ﷺ) لے کر آیا ہوں‘‘۔ یعنی جو احکام اور شریعت حضور ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں‘ اگر کوئی شخص ایمان رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اس سب کچھ کو تسلیم کر کے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ دوسری حدیث متفق علیہ ہے اور اس کے راوی حضرت انس بن مالک ؓ ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))(۲) ’’تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے باپ‘ بیٹے اور تمام انسانوں سے‘‘۔ چنانچہ یہ دونوں تقاضے پورے ہوں گے تو آپ ﷺ پر ایمان کا دعویٰ حقیقت بنے گا۔ ایک غایت درجہ میں آپ ﷺ کا اتباع اور اطاعت‘ دوسرے غایت درجے میں آپ ﷺ کی محبت۔

﴿وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ﴾ ’’اور آپ (ﷺ) کی تعظیم کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے‘‘

جب مذکورہ بالا دو تقاضے پورے ہوں گے تو ان کے لازمی نتیجے کے طور پر دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم پیدا ہوگی‘ آپ ﷺ کی عظمت دلوں پر راج کرے گی۔ جب اور جہاں آپ ﷺ کا نام مبارک سنائی دے گا بے ساختہ زبان پر درود و سلام آ جائے گا۔ آپ ﷺ کا

(۱) الاربعون النوویۃ‘ ح:۴۱۔ قال النووی: حدیث حسن صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح۔ ومشکاۃ المصابیح‘ کتاب الایمان‘ باب الاعتصام بالکتاب والسُّنۃ‘ الفصل الثانی۔

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب حب الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ اکثر من الاھل والولد والوالد والناس اجمعین......

فرمان سامنے آنے پر منطق و دلائل کا سہارا چھوڑ کر سرِ تسلیم خم کر دیا جائے گا۔ حضورﷺ کے ادب و احترام کے سلسلے میں یہ اصول ذہن نشین کر لیجیے کہ اگر کہیں کسی مسئلے پر بحث ہو رہی ہو' دونوں طرف دلائل کو دلائل کاٹ رہے ہوں اور ایسے میں اگر کوئی کہہ دے کہ رسول اللہﷺ نے اس ضمن میں یوں فرمایا ہے تو حدیث کے سنتے ہی فوراً زبان بند ہو جانی چاہیے۔ ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ آپﷺ کا فرمان سن لینے کے بعد بھی کسی معاملے میں رائے زنی کرے۔ بعد میں تحقیق کی جا سکتی ہے کہ آپﷺ سے منسوب کر کے جو فرمان سنایا گیا ہے درحقیقت وہ حدیث ہے بھی یا نہیں اور اگر حدیث ہے تو روایت و درایت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام ہے۔ حدیث صحیح ہے یا ضعیف! یہ سب بعد کی باتیں ہیں' لیکن حدیث سن کر وقتی طور پر چپ ہو جانا اور سر تسلیم خم کر دینا آپﷺ کے ادب کا تقاضا ہے۔

''وَنَصَرُوْهُ'' کے ضمن میں یہ نکتہ اہم ہے کہ نبی مکرمﷺ کو کس کام میں مدد درکار ہے؟ کیا آپﷺ کو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے مدد چاہیے؟ آپﷺ نے کوئی ذاتی سلطنت وحکومت تو قائم نہیں کی' جس کے قیام و استحکام کے لیے آپﷺ کو مدد کی ضرورت ہوتی۔ آپﷺ کی کوئی ذاتی جاگیر یا جائیداد بھی نہیں تھی' جس کو سنبھالنے کے لیے آپﷺ کو مدد درکار ہوتی۔ دراصل آپﷺ کو اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے مدد چاہیے تھی جس کے لیے آپﷺ بھیجے گئے تھے اور وہ تھا غلبۂ حق اور اقامتِ دین: ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصّف:۹)۔ دینِ حق کے غلبے کے لیے کی جانے والی جاں گسل جدّوجُہد میں آپﷺ کو مددگاروں کی ضرورت تھی اور اس کے لیے آپﷺ کی طرف سے ''مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ؟'' کی صلائے عام تھی' کہ مجھے اللہ کا دین غالب کرنا ہے' یہ میرا فرضِ منصبی ہے' کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے اور میرا مددگار بنے؟ چنانچہ آپﷺ نے اپنی محنت' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں اور اللہ کی نصرت سے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر کے اپنے مشن کی تکمیل کر دی۔ آپﷺ کے بعد کچھ عرصہ دین غالب رہا' پھر مغلوب ہو گیا اور آج تک مغلوب ہے۔ آج دنیا میں کہیں بھی دین غالب نہیں ہے۔ لہٰذا اب دین کو ساری دنیا میں غالب کرنا امت کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے حوالے سے آپﷺ کا مشن آج بھی زندہ ہے' یہ میدان اب بھی کھلا ہے۔ آج بھی حضورﷺ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾

(الصّف:۱۴) کا قرآنی حکم آج بھی ہمیں پکار رہا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ﴾ ''اور پیروی کریں گے اُس نور کی جو آپﷺ کے ساتھ نازل کیا جائے گا''

یہ گویا اس کٹھن مشن کی تکمیل کا راستہ بتایا گیا ہے۔ دین کے غلبے کی تکمیل قرآن کے ذریعے سے ہو گی' یعنی تذکیر بالقرآن' تبشیر بالقرآن' تبلیغ بالقرآن' انذار بالقرآن' تعلیم بالقرآن وغیرہ۔ جیسے محمد عربیﷺ نے قرآن کے ذریعے سے لوگوں کا تزکیہ کیا: ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعہ:۲) اس طرح آج بھی ضرورت ہے کہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو ترغیب دی جائے' ان کے دلوں کی صفائی کی جائے' انہیں جہالت کے اندھیروں سے ہدایت کے اُجالے کی طرف لایا جائے' تاریک دلوں کے اندر ایمان کی شمعیں روشن کی جائیں۔ پھر ان لوگوں کو ایک مشن پر اکٹھا کیا جائے' انہیں منظّم کیا جائے' ان میں منزل کی تڑپ پیدا کی جائے اور پھر باطل سے ٹکرا کر اس کو پاش پاش کر دیا جائے۔ یہ ہے آپﷺ کی مدد کرنے کا صحیح طریقہ' اور یہ ہے اس نور (قرآن) کی پیروی کرنے کا معروف راستہ۔ اور جو لوگ اس راستے پر چلیں گے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۟﴾ ''وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے — اشاعت عام: 25 روپے

حکمت — فہمِ قرآن کا سرچشمہ

عتیق الرحمٰن صدیقی

حکمت ۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا اعزاز

فہم وبصیرت‘ تدبر وتعقل‘ سوجھ بوجھ ذکاوت وحذاقت اور حق وباطل میں تمیز کا جو ملکہ اور شرح صدر کا بیش بہا خزانہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا کیا وہ انہی کا خاصّہ ہے‘ ان میں ان کا کوئی مثیل نہیں۔ ربانی انعامات ونوازشات کی ایک طویل فہرست ہے جس کا قرآن حکیم نے جابجا تذکرہ کیا ہے۔ ایک عظیم نعمت جو ربّ کریم نے انبیاء کو ارزانی فرمائی وہ ’’حکمت‘‘ ہے۔ یہ لفظ قرآن حکیم میں بیس مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ آلِ ابراہیم پر اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار احسانات فرمائے اس کا ذکر فرقانِ حمید میں ذیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝۵۴﴾ (النساء)

’’تو بلاشبہ ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی اور ان کو بڑی سلطنت بخشی۔‘‘

حضرت لقمان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ (لقمان:۱۲)

’’ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ کا شکر گزار رہو۔ اور جو کوئی شکر کرے تو اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے۔‘‘

حضرت داؤد علیہ السلام کی علوشان کا تذکرہ حکمت کی نسبت سے فرمایا:

﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝۲۰﴾ (ص)

’’اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی اور اس کو حکمت اور قولِ فیصل عطا کیا۔‘‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ بایں الفاظ کیا گیا:

﴿وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ

بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ﴾ (الزخرف:۶۳)

’’اور جب عیسیٰ صریح نشانیاں لیے ہوئے آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔‘‘

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اس نعمتِ عظیمہ سے مشرف کیا گیا‘ فرمایا:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ﴾ (آل عمران:۸۱)

’’یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت ودانش سے نوازا ہے‘ کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا

خانہ کعبہ کی دیواریں کھڑی کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ ربّ العزت میں یوں دست بدعا ہوئے تھے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۲۹﴾ (البقرۃ)

’’اور اے ہمارے ربّ‘ ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے‘ ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ یقیناً تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔‘‘

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور سورۃ البقرۃ ہی میں اس خوشخبری کا ذکر فرمایا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ کے ظہور کے احسان کو سورۃ آل عمران میں یوں بیان فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۶۴﴾ (آل عمران)

’’درحقیقت اہلِ ایمان پر اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے‘ ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے‘ حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ

صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔‘‘

سورۃ الجمعہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس احسان کو انہی الفاظ میں دہرایا۔

حکمت: حضور ﷺ کی جلالت شان

سید الانبیاء‘ سرورِ عالم ﷺ کو بھی اس علم و عرفان اور نور سے سرفراز کیا گیا اور ان مصالح و اسرار سے ان کے سینۂ اقدس کو مزیّن کیا گیا جو حکمت بالغہ میں پنہاں ہیں۔ یہ جلالت شان جو آپ ﷺ کو ودیعت کی گئی قرآن کریم نے اسے فضلِ عظیم سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا ﴿۱۱۳﴾﴾ (النساء)

’’خداوند تعالیٰ نے آپؐ پر کتاب اور حکمت اُتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے‘ اور آپؐ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔‘‘

آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ذٰلِکَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤی اِلَیۡکَ رَبُّکَ مِنَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ﴾ (بنی اسراء یل:۳۹)

’’یہ وہ ہے جو اللہ نے حکمت کی باتوں میں آپ پر وحی کی ہے۔‘‘

سورۃ البقرۃ میں اہلِ ایمان سے فرمایا:

﴿وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ وَالۡحِکۡمَۃِ یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۳۱)

’’اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہوا اور تم پر جو کتاب اور حکمت اُتاری‘ اللہ تم کو اس سے سمجھاتا ہے۔‘‘

خاص طور پر ازواج مطہرات ؓ سے خطاب ہے:

﴿وَاذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالۡحِکۡمَۃِ ؕ﴾ (الاحزاب:۳۴)

’’اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیات اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔‘‘

حکمت کو قرآن نے بہت بڑی دولت سے موسوم کیا:

﴿یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۶۹)

’’اور اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے‘ اور جس کو حکمت بخشی گئی اس کو بڑی دولت (بھلائی) دے دی گئی۔‘‘

اس آیت کی توضیح میں داعی الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمد ؒ رقم طراز ہیں:

’’یہ حکمت کی باتیں ہیں‘ جن کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے لیے ممکن نہیں۔ ایک چیزوں کا ظاہر ہے اور ایک باطن ہے‘ جو حکمت سے نظر آتا ہے۔ ظاہر تو سب کو نظر آ رہا ہے‘ لیکن کسی شے کی حقیقت کیا ہے‘ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے: ؎

اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر خوب ہے لیکن ۔۔۔ جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟

جس کسی پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے وہ حکیم ہے۔ اور حکمت اصل میں انسان کی عقل اور شعور کی پختگی کا نام ہے۔ استحکام اسی ’’حکمت‘‘ سے ہی بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل و فہم اور شعور کی یہ پختگی اور حقائق تک پہنچ جانے کی صلاحیت جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور جسے حکمت دے دی گئی اسے تو خیر کثیر عطا ہو گیا۔ اس سے بڑا خیر کا خزانہ تو اور کوئی ہے ہی نہیں۔‘‘ (بیان القرآن‘ جلد اوّل‘ ص ۳۴۰)

دعوت و تبلیغ اور دین حق کی اقامت کے لیے کی جانے والی مساعی میں حکمت اور عمدہ نصیحت کو ملحوظ رکھنے کا حکم صادر فرمایا گیا:

﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ﴾ (النحل:۱۲۵)

’’(اے نبی ﷺ!) اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔‘‘

گویا حکمت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر تبلیغ کی جائے‘ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت‘ استعداد اور حالات کو سمجھ کر‘ موقع و محل کو سامنے رکھ کر بات کی جائے‘ دلائل سے مطمئن کرنے کے ساتھ ساتھ جذبات سے بھی اپیل کی جائے اور کج بحثیوں سے احتراز کیا جائے۔

حکمت کا مفہوم: لغوی اعتبار سے

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں قرآن حکیم کی ان متعدد آیات کی نشاندہی کی ہے جس میں حکمت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اہلِ لغت نے حکمت کا کیا مفہوم بیان کیا‘ ہم یہاں اختصار سے اس کی تصریح بھی کرتے ہیں۔ لغت کے امام جوہری اپنی ’صحاح اللغۃ‘‘ میں لکھتے ہیں:

الحکمۃ من العلم والحکیم العالم وصاحب الحکمۃ والحکیم المتقن للامور

(جلد۲، ص ۶۷۴۔مصر) ''حکمت علم ہے اور حکیم عالم ۔ اور حکمت والا اور حکیم کاموں کو خوبی سے کرنے والا'' ۔قدیم لغت نویس ابن درید (المتوفی ۳۲۱ھ) اپنی کتاب ''جمهرة اللغة'' میں حکمت کے حسب ذیل معنی لکھتے ہیں: **فکل کلمة وعظتك او زجرتك او دعتك الی مکرمةٍ او نهتك من قبیحٍ فهی حکمة وحکم** (جلد ۱، صفحہ ۱۸۶ بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد چہارم) ''ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے یا تجھ کو تنبیہ کرے یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور حکم ہے۔''

علومِ قرآنیہ کے ماہرین کے اقوال

علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرت النبی ﷺ جلد چہارم میں تفسیر بحرالمحیط از ابن حیان اندلسی کے حوالے سے ماہرین علومِ قرآنیہ کے ''حکمت'' کے بارے میں اقوال یکجا کیے ہیں، ان میں سے چند اقوال زیب قرطاس کیے جا رہے ہیں:

(۱) **قال مالك وابو رزین :الحکمة الفقه فی الدین والفهم الذی هو سجیّة ونور من الله تعالی**

''امام مالک اور ابو رزین کا قول ہے: ''حکمت دین میں سمجھ اور اس فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے۔''

(۲) **وقال المجاهد :الحکمة فهم القرآن**

''مجاہد کا قول ہے: ''حکمت سے مراد قرآن کا فہم ہے۔''

(۳) **وقال مقاتل :العلم والعمل به لا یکون الرجل حکیمًا حتّٰی یجمعهما**

''مقاتل کا قول ہے: ''حکمت علم اور اس کے مطابق عمل کو کہتے ہیں، کسی شخص کو حکیم اس وقت تک نہیں کہا جاتا جب تک وہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو۔''

(۴) **وقیل وضع الاشیاء مواضعها**

''کسی کا قول ہے: ''چیزوں کو اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے۔''

(۵) **عن قتادة :الحکمة ای السنة**

''قتادہ سے مروی ہے: حکمت یعنی سنت نبوی۔''

امام طبریؒ کہتے ہیں: ''ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان احکامِ الٰہی کے علم کا نام ہے جو صرف رسول کے بیان (تشریح) سے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی اور جو ان کی مثالیں اور نظیریں ہیں ان کو معرفت کہتے ہیں، اور حکمت کا لفظ میرے نزدیک حکم سے ماخوذ ہے جس کے

معنی حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں۔''

(۶) امام شافعیؒ نے اپنی تصنیف کتاب الرسالة میں قتادہ کے مسلک کو پسند کیا ہے، لکھتے ہیں: ''میں نے قرآن کے ان اہلِ علم سے جن کو پسند کرتا ہوں، یہ سنا کہ حکمت آنحضور ﷺ کی سنت کا نام ہے''۔ وہ مزید فرماتے ہیں: ''اور آپؐ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپؐ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی۔'' (صفحہ ۲۴،۲۸)

کامل ترین حقیقت

ائمہ لغت اور ماہرین علوم قرآنیہ کے اقوال کی روشنی میں ہم یہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ''حکمت عقل و فہم کی اس کامل ترین حقیقت کا نام ہے جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ بذریعہ غور و فکر، دلیل و برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں بلکہ منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اس صاحبِ حکمت کا عمل بھی ہوتا ہے''۔ (سیرت النبی ﷺ جلد چہارم) گویا یہ وسیع و عمیق اور مسلسل مطالعہ کا ثمرہ اور نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ، دین اور بخشش ہے، جُہد و کاوش کا اس میں دخل کم ہے۔ یہ وہ معرفت اور روشنی ہے جو رب کریم ودیعت فرماتا ہے اور اسی کا نام حکمت ہے۔ یہ ایک ایسا عطیہ ہے جو سب کو یکساں نہیں ملتا، استعداد کے تناسب سے حاصل ہوتا ہے، اس میں اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ انبیاء کرام ؑ کا ہے اور یہ مرتبہ انہی کو میسر آتا ہے۔ حکمت کی اس قوت کے نتیجے میں جو انبیاء کو بدرجۂ اتم حاصل ہوتی ہے، ان کا ہر کام اور عمل دانائی اور دانشمندی پر مبنی ہوتا ہے، ان کی ہر بات سچی، صحیح اور صاف ہوتی ہے اور اپنا اثر بھی ظاہر کرتی ہے۔ سورۃ القمر میں فرمایا: ﴿حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ﴾ (آیت ۵) یعنی دل تک پہنچ جانے والی حکمت۔

حکمت کا مفہوم: مفسرین کرام کے الفاظ میں

مفسرین کرام نے حکمت کا مطلب اور مفہوم واضح کرنے میں علمائے قرآن اور ائمہ لغت کی تصریحات کو سامنے رکھا ہے۔ ہم یہاں ان کے الفاظ نقل کر رہے ہیں:

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''حکمت سے مراد سنت اور حدیث ہے، حسن، قتادہ اور مقاتل بن حیان اور ابو مالک وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی طاعت و اخلاص سکھانا، بھلائیاں کرنا، برائیوں سے بچانا، اطاعت الٰہی کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنا، نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے محفوظ رہنا۔'' (تفسیر ابن کثیر مترجم، جلد اول)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''حکمت سے مراد اسرارِ مخفیہ اور رموزِ لطیفہ ہیں۔''

سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوتِ فیصلہ ہے...... جس شخص کے پاس حکمت کی دولت ہوگی وہ ہرگز شیطان کی بتائی ہوئی راہ پر نہ جائے گا بلکہ اس راہ کشادہ کو اختیار کرے گا جو اللہ نے دکھائی ہے۔'' (تفہیم القرآن' جلد اول)

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگرچہ (مفسرین' صحابہ و تابعین) ان کے الفاظ مختلف ہیں' لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے' یعنی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام تفسیر ابن کثیر و ابن جریر نے حضرت قتادہؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے اور کسی نے علم احکام شرعیہ کہا اور کسی نے کہا کہ ایسے احکام الٰہیہ کا علم جو رسولؐ کے ہی بیان سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان سب کا حاصل وہی حدیث و سنت رسول ہیں۔'' (معارف القرآن' جلد اول)

مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں حکمت کی تحقیق یوں بیان فرمائی ہے:

''رہی حکمت تو وہ تعبیر ہے اس قوت و صلاحیت کی جس سے انسان معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی تعریف میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ ''ہم نے اس کو حکمت عطا کی اور فیصلۂ معاملات کی صلاحیت''۔ یہاں فصل الخطاب سے اس اثر کو بیان کیا ہے جو حکمت کا ثمرہ ہے۔ جس طرح فیصلہ معاملات کی صلاحیت و حکمت ثمرات میں سے ہے اسی طرح اخلاق کی پاکیزگی اور تہذیب بھی اس کے ثمرات میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اہلِ عرب حکمت کا لفظ انسان کی اس قوت و صلاحیت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل و رائے کی پختگی اور شرافت اخلاق کی جامع ہوتی ہے۔ چنانچہ دانش مند اور مہذب آدمی کو حکیم کہا جاتا ہے اور جو بات عقل اور دل دونوں کے نزدیک بالکل واضح ہو اس کو حکمت سے تعبیر کرتے ہیں''۔ (بحوالہ تدبر قرآن' جلد اول)

مفسر قرآن عبدالرحمٰن کیلانی حکمت کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حکمت کے لفظی معنی سمجھ اور دانائی ہے' پھر اس میں وہ سب طور طریقے بھی شامل

ہو جاتے ہیں جو کسی کام کو عملی طور پر سرانجام دینے کے لیے ضروری ہیں۔ پہلی قسم کو حکمت علمی اور دوسری قسم کو حکمت عملی کہتے ہیں ...... قرآن میں جہاں بھی کتاب کے ساتھ حکمت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد سنت رسول اللہؐ ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد کوئی شخص غرور سے ایسا نہ کہے کہ میں اللہ کی کتاب میں یہ حکم نہیں پاتا۔ خوب سن لو! مجھے یہ کتاب (قرآن) بھی دیا گیا ہے اور اس کی مثل اتنا کچھ اور بھی'' (ترمذی' ابوداؤد وغیرہما)۔'' (تیسیر القرآن' جلد اول)

پیر محمد کرم شاہؒ لکھتے ہیں:

''حکمت کہتے ہیں **وضع الاشياء على مواضعها**' ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں **الحکمۃ** کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکام قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق عمل ہو سکے' اور اسی حکمت یعنی بیانِ قرآن کو سنت نبوی کہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن' جلد اول' حاشیہ ۱۵۳)

سید قطبؒ حکمت کی تصریح ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

''تعلیم حکمت سے مراد یہ ہے کہ رسول صرف احکام کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ ان کی روح' ان کے مقصد' ان کی علت اور لم سے بھی اہل ایمان کو آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ پورے انشراح کے ساتھ احکامِ الٰہی کی اس طرح تعمیل کر سکیں کہ ان کا منشا پورا ہو! نیز رسول انہیں اخلاقی اقدار کی تعلیم بھی دیتا ہے تاکہ ان کی زندگی رذائلِ اخلاق سے پاک ہو اور مکارمِ اخلاق سے آراستہ ہو سکے —— ''حکمت'' کا لفظ عربی زبان اور قرآن مجید میں دانش مندی اور اعلیٰ اخلاق دونوں کے معنوں میں آیا ہے اور حقیقتاً یہ دونوں امور لازم و ملزوم ہیں۔'' (فی ظلال القرآن مترجم' جلد اول' صفحہ ۳۱۲)

علماء سلف' ائمہ لغت اور مفسرین کرام نے حکمت کے معنی و مفہوم اور اس کے آثار و نتائج کے بارے میں جو لکھا ہے' ہم نے اوپر کی سطور میں وہ درج کر دیا ہے۔ ان کے پیرایۂ اظہار میں اختلاف ضرور ہے مگر حقیقت ایک ہی ہے اور اس کی متعدد تفسیریں ہیں۔ دین کی معرفت' تفقہ' علم' حکمت ہی کی کہکشاں سے ضوفشاں ہوتے ہیں۔ اسی روشنی اور نور سے قلوب منور ہوتے ہیں اور یہ اللہ کی عطا اور توفیق سے میسر آتی ہے۔ OO

مکاتیبِ نبوی ﷺ کی دریافت

حقانیت پیغمبر ﷺ کا ثبوت

(عربی متن' اردو ترجمہ اور عکس)

حافظ محمد زاہد☆

قرآن حکیم کے اس ارشاد کے مطابق ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ (الانبیاء) ''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا'' محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت عالمگیر ہے۔ اسی عالمگیر نبوت اور آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی کے تحت آپ نے سینکڑوں کی تعداد میں خطوط روانہ فرمائے تاکہ اسلام کا عالمگیر پیغام دنیا کے تمام گوشوں تک پہنچ جائے۔ ان خطوط کے مخاطبین میں مختلف قسم کے لوگ شامل تھے۔ ان میں سے کچھ خطوط تو اس عہد کے عظیم اور پُر ہیبت بادشاہوں کے نام ہیں جن میں اہلِ کتاب کے علاوہ مشرک بھی تھے' بعض خطوط عرب کے علاقائی بادشاہوں' راجاؤں اور سردارانِ قبائل کے نام ہیں اور کچھ مکتوبات آپ ﷺ نے صحابہ کرام' مسلم عمائدین اور سپہ سالاروں کو بھی تحریر کیے۔

یہاں پر ہمارا مقصد ان چند خطوط کا جائزہ لینا ہے جو ماضی قریب میں اصل متن کے ساتھ اپنی اصل شکل میں دریافت ہوئے ہیں۔ یہ خطوط' جو معروف و مشہور ہیں اور ان کا تذکرہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں تواتر سے ملتا ہے' دورِ حاضر میں ان کی دریافت اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام ﷺ کے معجزے کا ایک اظہار ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت کے لیے ہمیں کسی ایسے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کے مصداق آپ ﷺ کی رسالت و تعلیمات ہر طرح سے مبرہن ہیں' البتہ یہ ثبوت اہلِ ایمان کے لیے تقویت کا باعث اور منکرین کے لیے حجت کا سبب ضرور ہے۔ ذیل میں پانچ خطوطِ نبوی ﷺ کی دریافت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

☆ ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی لاہور۔ 03214291904

نامۂ مبارک بنام نجاشی' شاہِ حبشہ

نجاشی کے نام تین مکاتیب نبوی اس وقت سیرت کی کتب میں موجود ہیں' البتہ معروف دوسرا مکتوب نبوی ہے جس کے ملنے پر شاہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (ابن کثیر' البدایہ والنہایہ' ج ۴' ص ۶۸۲)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''۱۱ مئی ۱۹۳۹ء کو جب میں نے آکسفورڈ میں ابتدائے سن ہجری کے چند عربی مکتوباتِ مدینہ پر لیکچر دیا تو پروفیسر مارگولیتھ نے جلسے میں بیان کیا کہ ایک مکتوبِ نبوی جو نجاشیٔ حبشہ کے نام بھیجا گیا تھا' دستیاب ہو گیا ہے اور اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص کے پاس ہے۔ جلسے کے بعد میں نے پروفیسر کے توسط سے اس شخص کو ایک خط بھیجا۔ کئی ماہ بعد مجھے اس کا جواب حیدر آباد میں ملا۔ خط نویسندہ مسٹر ڈنلاپ کا قیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب مبارک کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی' منسلک تھی اور وعدہ کیا گیا تھا کہ اسکاٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو بھی دیا جائے گا' نیز اس مکتوب پر ایک مضمون بہت جلد لندن کے رسالہ جے آر اے ایس میں بھی چھپے گا (بعد میں یہ مضمون مذکورہ رسالہ کے جنوری ۱۹۴۰ء کے شمارہ میں چھپا اور اس مذکورہ مکتوب کا فوٹو بھی شائع ہوا)۔'' (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' ص ۱۴۰)

یہ خط ایک جھلی پر لکھا ہوا ہے جو ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی ہے۔ اس میں حروف کی شکل گول اور جلی ہے اس لیے آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ بھورے رنگ کی سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور خط کی ۱۷ سطریں ہیں۔ آخر میں ایک انچ قطر کی گول مہر کا نشان ہے جو فوٹو میں صاف نہیں ہے۔ (محمد یونس' رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام' ص ۳۹۲)

متن:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ الی النجاشی عظیم الحبشہ سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی احمد الیک اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن واشھد ان عیسی بن مریم روح اللّٰہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ

فحملت بعيسى من روحه و نفخه كما خلق آدم بيده واني اعودك الى الله وحده لا شريك له والموالاة على طاعته وان تتبعني وتوقن بالذى جاء نى فانى رسول الله وانى اعودك وجنودك الى الله عز و جل وقد بلغت و نصحت فاقبلونصحى والسلام على من التبع الهدى

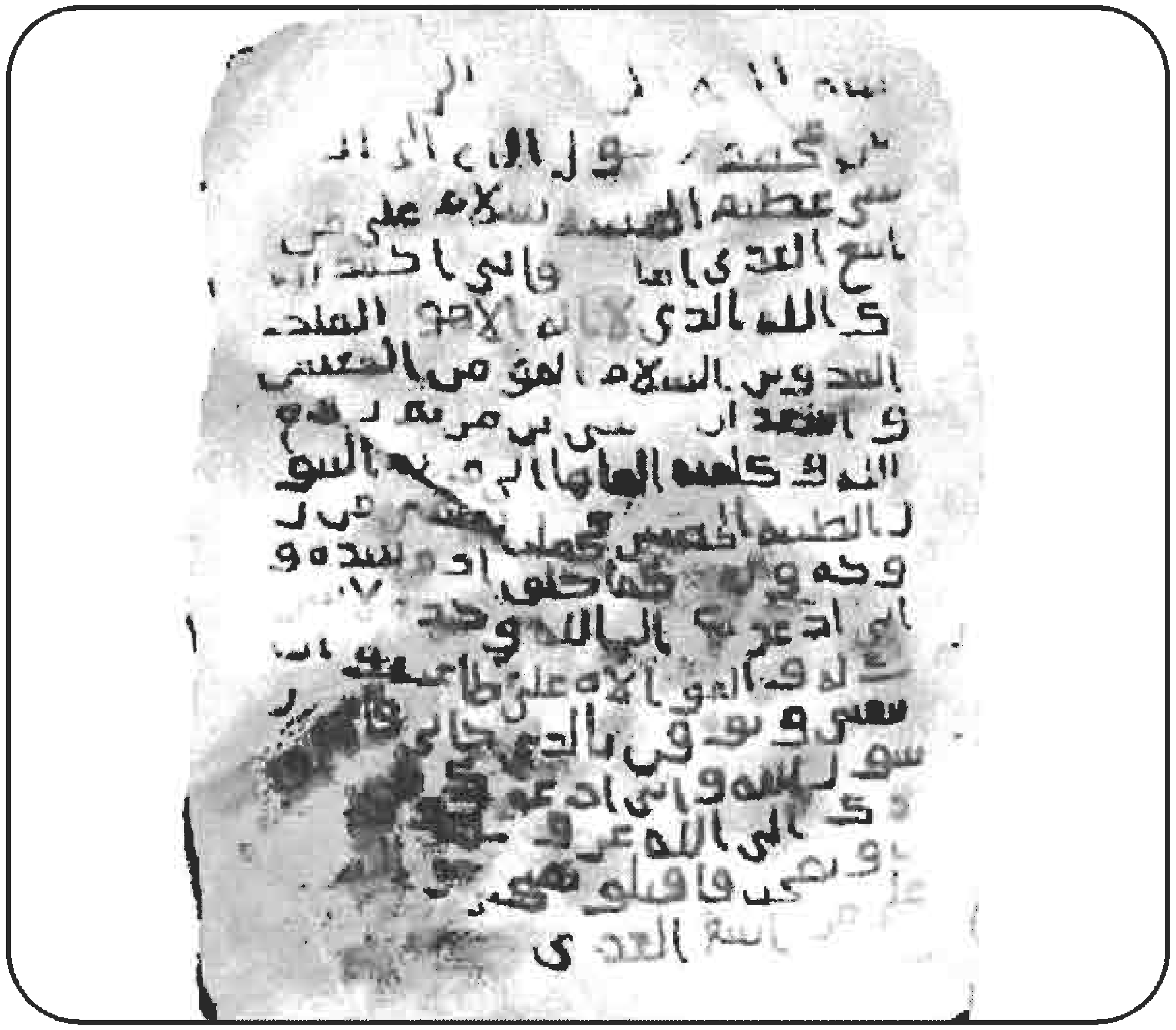

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے عظیم نجاشی کی جانب۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! میں اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ تمام عیبوں سے پاک ہے، امن دینے والا اور سب کا نگہبان ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم بتول طیبہ عفیفہ کی جانب القا کیا (کہ وہ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں) پس اللہ ہی نے ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو (حضرت مریم میں) پھونک دیا جیسا کہ اس نے (حضرت آدم علیہ السلام) کو اپنے دست قدرت سے بنایا۔ میں تجھے اللہ کی طرف اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تو میری

اتباع کرے اور اس پر یقین کرے جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے (یعنی قرآن) کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ اور میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کر دی، پس تم میری نصیحت قبول کرو۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''

نامۂ مبارک بنام کسریٰ، شاہِ فارس

مؤرخین عام طور پر یہ لکھتے ہیں کہ شاہِ فارس خسرو پرویز نے رسول اکرم ﷺ کے مکتوب گرامی کو پھاڑ دیا تھا، مگر اس کے بعد مکتوب گرامی کا کیا ہوا، اس بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ کسریٰ نے ٹکڑے اکٹھے کر کے عبداللہ بن خدامہ رضی اللہ عنہ (قاصد) کو دے دیے تھے کہ رسول ﷺ کو بطور ہدیہ دے دینا۔ تاہم اس وقت کون جانتا تھا کہ کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت تباہ ہو جانے والی ہے اور جس تحریر کو بظاہر چاک کر کے پھینک دیا گیا ہے وہ مرورِ زمانہ اور گردشِ روزگار کے باوجود چودہ سو سال کے بعد بھی دستیاب ہو سکتی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام، ص ۴۱۵)

مئی ۱۹۶۳ء کی دسویں یا اس کے لگ بھگ زمانہ میں ساری دنیا کے تمام بڑے اخباروں نے بیروت کی یہ اطلاع شائع کی کہ وہاں کے سابق وزیر خارجہ (ہنری فرعون) کے موروثی ذخیرے میں اصل مکتوب نبوی بنام کسریٰ دریافت ہوا ہے۔

یہ دریافت چونکہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے کی تھی، اس لیے انہوں نے ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء کو بیروت کے روزنامہ ''الحیوۃ'' میں اس نامہ مبارک کا فوٹو ایک تحقیقی مضمون کے ساتھ شائع کیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے مذکورہ خط کے بارے میں کچھ اقتباسات اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں کہ ہنری فرعون کے والد نے پہلی جنگ کے اختتام پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدی۔ یا تو اس کو خود معلوم نہ تھا یا اس نے اپنے اہلِ خانہ کو نہ بتایا کہ یہ کیا چیز ہے۔ بہرحال ہنری فرعون کو ۱۹۶۲ء تک معلوم نہ تھا کہ یہ مکتوبِ نبویؐ ہے۔ نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں اس نے یہ خط صلاح الدین المنجد کے سپرد کیا کہ اس کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ یوں یہ خط منظر عام پر آیا۔ (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۳۳)

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اس خط کے بارے میں بتایا:

① یہ ایک رق جھلی ہے جس کا رنگ مرورِ زمانہ کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہے اور کانچ کے ایک

فریم میں بند ہے۔

② جھلی پرانی اور نرم ہے' گہری خاکی رنگ کی ہے' اس کے کنارے کالے پڑ گئے ہیں۔ یہ ۳۸ سینٹی میٹر لمبی اور ساڑھے اکیس سنٹی میٹر چوڑی ہے۔

③ یہ جھلی مستطیل سی ہے مگر چوڑائی یکساں نہیں ہے' اوپر زیادہ چوڑی ہے اور نیچے کم۔

④ اس پر عبارت ۱۵ سطروں پر مشتمل ہے مگر کوئی سطر اڑھائی سم ہے تو کوئی ساڑھے اکیس سم۔

⑤ عبارت کے نیچے گول مہر ہے جس کا قطر تین سم ہے۔

⑥ جھلی کے نچلے حصے نے پانی کا مار کھایا ہے جس کے باعث بعض جگہ الفاظ مٹ گئے ہیں اور بعض جگہ مدہم ہو گئے ہیں۔ مہر کی عبارت مٹ گئی ہے۔

⑦ اس جھلی کو کسی نے پھاڑنے کی کوشش کی ہے' چنانچہ وہ تیسری سطر سے دائیں طرف سے وسط تک چر گئی ہے۔ پھر طولاً دسویں سطر تک پھٹی ہے۔

(رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' ص ۲۴۴)

متن:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی کسری عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدی و آمن باللہ ورسولہ وشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وادعوك بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ لا نذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان ابیت فانما علیك اثم المجوس

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے فارس کے عظیم کسریٰ کی جانب۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تجھے اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول (بھیجا ہوا) ہوں تاکہ ہر زندہ انسان کو (آخرت) کا ڈر سناؤں اور کافروں پر اللہ کی بات ثابت ہو جائے۔ اسلام قبول کرو سلامتی میں رہو گے۔ پھر اگر تو نے انکار کیا تو تمام مجوسیوں (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔''

نامۂ مبارک بنام مقوقس' شاہِ مصر

ڈاکٹر حمید اللہ مذکورہ خط کی دریافت کی بابت لکھتے ہیں:

''موسیو بارتل می نامی ایک مستشرق اپنے کچھ ساتھیوں سمیت کچھ عرصے سے مصر کی قدیم ترین زبان کا مطالعہ کرنے لگے ہیں۔ خاص کر قبطی زبان کے مخطوطات تلاش کر رہے ہیں جو مصر کے تنہائی پسند راہبوں کے قبضے میں موجود ہیں اور عہدِ سلف کے متعلق قیمتی آثار پر مشتمل ہیں۔ اسی تلاش کے دوران ایک دن جب وہ تھکن سے چور چور ہو چکے تھے اخمیم کے قریب ایک راہب خانے کو پہنچے۔ اس راہب خانے میں ایک عربی مخطوط دستیاب ہوا جو صورت میں بہت معمولی نظر آتا تھا۔ اس کی جلد سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اصل میں کسی ایسی کتاب کے لیے تیار کیا گیا تھا جو خاصے بڑے حجم کی ہوگی۔ یہ جلد کناروں سے خراب ہو گئی تھی اور اس کے اندر سے کچھ قبطی حروف دکھائی دے رہے تھے۔ ہمارے سیاح نے کوشش کی کہ اس پہلے ورق کو الگ کرے جو متعدد لکھے ہوئے اوراق کو لپٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ جب احتیاط سے اسے علیحدہ کیا گیا تو

فی الحقیقت اندر سے کوئی دس اوراق برآمد ہوئے جن پر قبطی زبان کے قدیم خط میں انجیل لکھی ہوئی تھی۔ ان اوراق کو ایک موٹے کاغذ میں لپیٹا گیا تھا اور سب کو جوڑ دیا گیا تھا۔ وسطی حصہ جو باہر سے دونوں پہلوؤں کو ملاتا تھا سیاہ چمڑے کے ایک ٹکڑے سے بنا ہوا تھا۔ چنانچہ موسیو بارتل می نے دونوں پہلوؤں سے ان قبطی اوراق کو یکے بعد دیگرے جدا کیا جو کتاب کے داخلی حصے پر مشتمل تھے۔ اس پر انہیں ان اوراق کے اندر بیچ میں دونوں پہلوؤں پر چمٹا ہوا کھال یا جھلی کا ایک ٹکڑا نظر آیا جسے کیڑوں نے دو جگہ سے چاٹ لیا تھا۔ موسیو بارتل می کو اس پر کچھ عربی حروف سے نظر آئے۔ ہزار کوشش کے بعد انہوں نے لفظ **محمد** کو پڑھ لینے میں کامیابی حاصل کی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ یہ دستاویز خاصی دلچسپی کی حامل ہے' اس لیے انہوں نے جتنی احتیاط ممکن تھی برت کر اس کھال کو پوری طرح علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔ چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرتے اسے بھگونے اور نرم کرنے پر مجبور تھے۔ اس کارروائی میں چند الفاظ جو پہلے ہی سے مٹ چلے تھے پوری طرح غائب ہو گئے۔ اس خط کو کچھ دنوں بعد موسیو بارتل می نے سلطان عبد المجید خان اول کے ہاتھ تین سو اشرفیوں میں فروخت کر دیا۔ یہ خط تبرکاتِ نبوی ﷺ کے ساتھ مصر کے شاہی خزانے میں داخل ہو گیا۔

یہ نامہ مبارک عجائب خانہ توپ کاپی سرائے میں محفوظ ہے۔ ۱۹۶۶ء میں اس کو عجائب خانہ میں کھول کر رکھ دیا گیا کہ ہر کوئی اس خط کو دیکھ سکتا ہے۔'' (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' ص ۱۴۰)

سید محبوب رضوی اس مکتوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی بن احمد المقدسی نے مصباح المغنی کے نام سے مکتوباتِ نبوی کو جمع کیا تھا۔ انہوں نے دورِ اوّل کے مشہور مؤرخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مقوقس کے نام جو مکتوب نبوی روانہ کیا گیا تھا اس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس طرح خوش قسمتی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی یہ تحریر ہم تک پہنچ گئی ہے۔'' (سید محبوب رضوی' مکتوبات نبوی ﷺ ص ۱۴۱)

متن:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبداللہ ورسولہ الی مقوقس عظیم

القبط سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایة السلام فاسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے قبط کے عظیم مقوقس کی جانب۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد' میں تمہیں اسلام کے کلمہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ پھر اگر تو نے روگردانی کی تو تجھ پر تمام قبط (کے اسلام نہ لانے) کا گناہ ہوگا۔ اے اہلِ کتاب تم ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔''

نامۂ مبارک بنام ہرقل‘ قیصرِ روم

رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب مبارک جو آپؐ نے روم کے شہنشاہ ہرقل کے نام ارسال فرمایا تھا‘ ۱۹۷۶ء میں دستیاب ہوا۔ اسلامی تاریخ کے اس نادر تحفے کو متحدہ عرب امارات کے سربراہ شیخ زاید النہیان (مرحوم) نے لاکھوں روپے دے کر لندن سے اپنے ملک منتقل کر لیا تھا۔ انہوں نے اس مکتوب مبارک کے حقیقی اور اصلی ہونے کی تحقیق کے لیے دنیا بھر کے ماہرین کی خدمات حاصل کی تھیں‘ جنہوں نے پوری چھان بین کے بعد اس کی صحت اور اصلیت کا اعلان کیا تھا اور اس کے بعد ہی ہماری تاریخ کے اس عظیم ورثے کو شیخ زاید نے لاکھوں روپے کے عوض خرید لیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام‘ ص ۳۷۶)

تاریخی حوالوں کے مطابق محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا یہ خط اردن کے ہاشمی سلطنت کے بانی اور سابق سربراہ شاہ حسین کے دادا شاہ عبداللہ کی ملکیت تھا۔ شاہ عبداللہ نے اس کو اپنی آخری بیوی ملکہ نجدہ کو مہر کے طور پر دیا تھا۔ ملکہ نجدہ تین سال قبل عمان سے ترکِ وطن کر کے ہند چلی گئی تھیں اور یہ خط سوئٹزرلینڈ کے ایک بینک میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ اس خط کے اصل ہونے کی تصدیق برٹش میوزیم کے ماہرین نے کی ہے اور اس کے اصل اور قدیم ہونے کی تصدیق اس کھال سے ہی ہوتی ہے جس پر یہ تحریر کیا گیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام‘ ص ۳۷۷‘ ۳۷۸)

متن:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسو له الی هرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدی امابعد فانی ادعوك بدعایة السلام اسلم تسلم یوتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم الاریسیین ویا اهل الكتاب تعالوا الی كلمة سواء بیننا وبینكم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے روم کے عظیم ہرقل کی جانب۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد‘ میں تمہیں اسلام کے کلمہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر

دے گا۔ پھر اگر تو نے روگردانی کی تو تیری تمام جاہل رعایا (کے اسلام نہ لانے) کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ اور اے اہلِ کتاب تم ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں‘ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔“

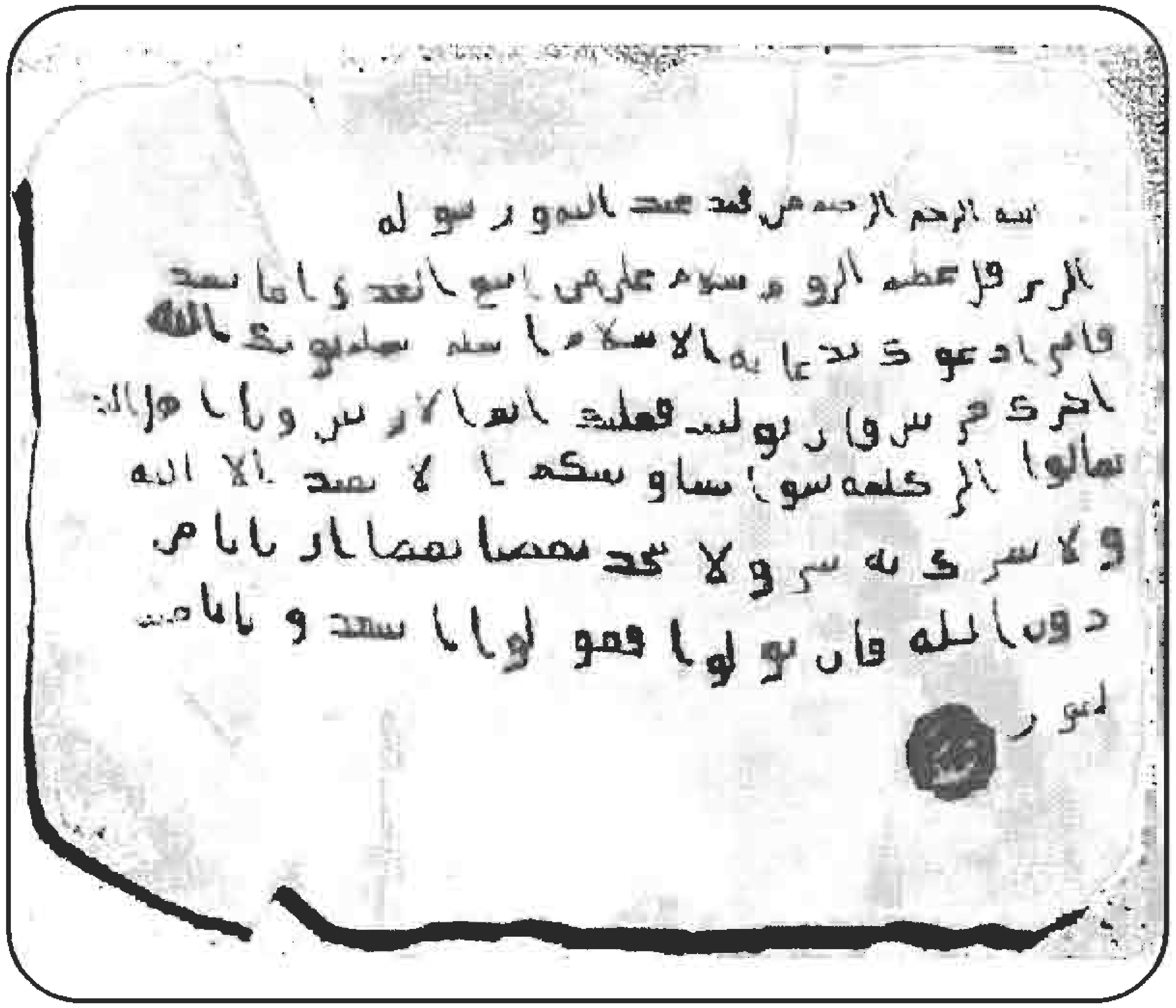
بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله و رسو له
الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى اما بعد
فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك الله
اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم الاريسيين و يا اهل
الكتب تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم الا نعبد الا الله
و لا نشرك به شيا و لا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من
دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون

نامۂ مبارک بنام منذر بن ساویٰ‘ حاکمِ بحرین

بحرین کے ایرانی گورنر منذر بن ساویٰ کے نام مکتوب نبوی استنبول کے تبرکات میں محفوظ ہے۔ اسے عثمانی خلیفہ سلطان عبدالمجید خان اول نے کسی فرانسیسی سیاح سے خریدا تھا۔ فرانسیسی سیاح نے ۱۸۵۸ء میں اسے ایک مصری راہب سے حاصل کیا تھا۔ یہ ایک باریک سیاہی مائل بھوری کھال پر مرقوم ہے۔ (محمد ریاض‘ حضرت رسالت مآب ﷺ کے مکاتیب‘ ص ۱۱۹)

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

”اتفاق سے نامہ مبارک بنام مقوقس کی طرح اس کو ترکی کے سلطان عبدالمجید خان نے

فرانسیسی سیاح کو ایک بڑی قیمت دے کر خرید لیا اور قسطنطنیہ میں دوسرے تبرکاتِ نبوی ﷺ کے ساتھ رکھوایا۔ منذر اور مقوقس کے نام خطوط کا اندازِ تحریر ایک دوسرے سے بڑی حد تک ملتا ہے' اس لیے بہت ممکن ہے کہ یہ مکتوب بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا ہو۔'' (مکتوباتِ نبوی' ص ۱۶۴)

متن:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسو ل الله الى المنذر بن ساوى سلام عليك فانى احمد الله اليك الذى لا اله غيره واشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله اما بعد فانى اذكرك الله عزوجل فانه من ينصح فانما ينصح وانه من يطع رسلى ويتبع امرهم فقد اطاعنى ومن نصح لهم فقد نصح لى وان رسلى فقد انمو عليك خيرا وانى قد شفعتك فى قومك فاترك للمسلمين مااسلموا عليه وعفوت من اهل الذنوب فاقبل منهم وانك مهما تصلح فلن نعزلك عن عملك ومن تام على يهودية او مجوسية فعليه جزية

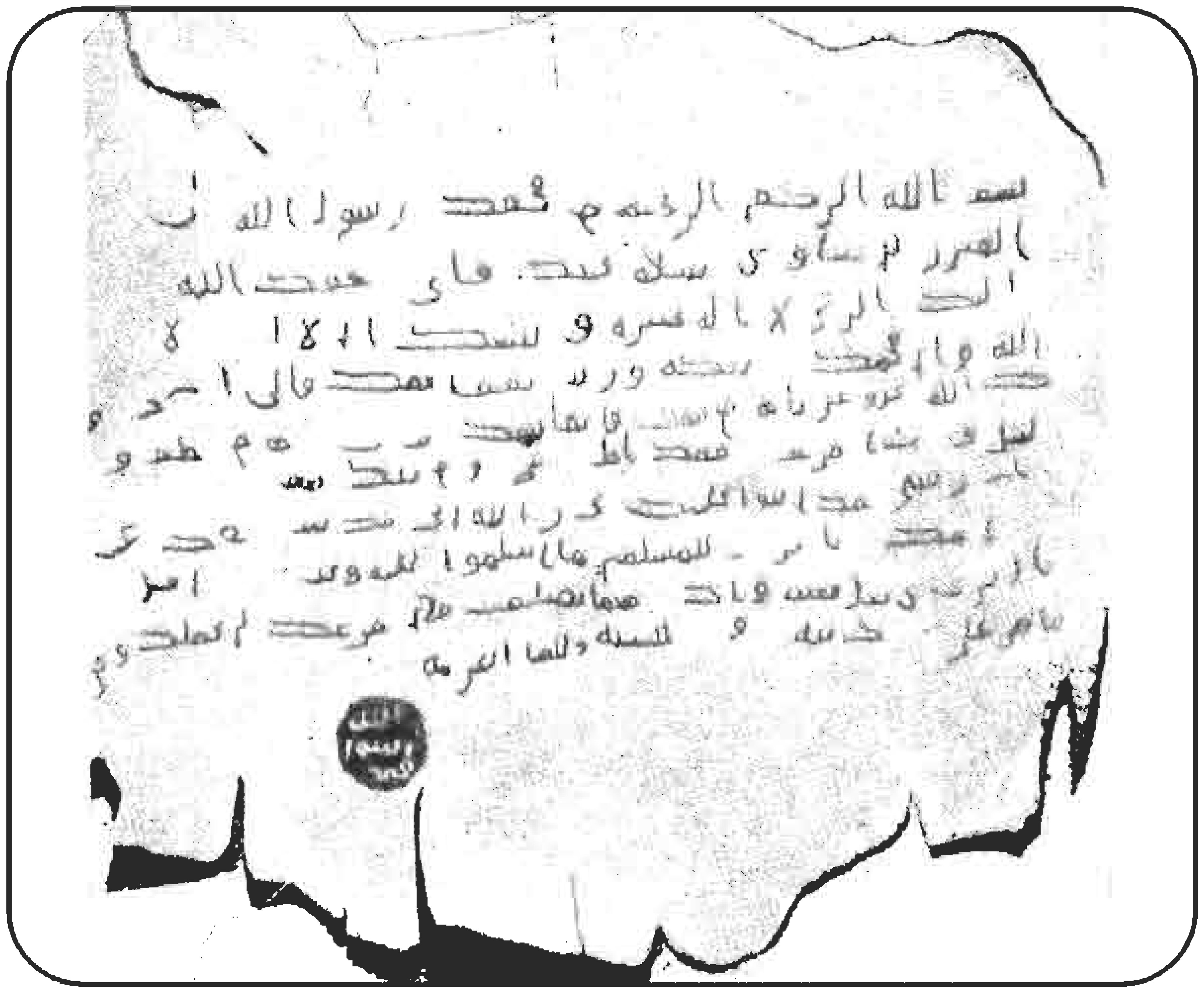

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام۔ سلام ہو تجھ پر' میں تجھ سے اس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اما بعد' تجھے اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے' اور جس نے میرے قاصدوں کی پیروی کی اور ان کی ہدایت پر عمل کیا تو اس نے بلاشبہ میری پیروی کی' اور جس نے اس کی خیر خواہی کی اس نے گویا میری خیر خواہی کی۔ اور میرے قاصدوں نے آ کر تمہاری توصیف کی اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کی۔ پس وہ املاک مسلمانوں کے پاس چھوڑ دو جن پر وہ اسلام لانے کے وقت قابض تھے' اور میں گناہ گاروں سے درگزر کرتا ہوں لہٰذا تم بھی ان سے (توبہ) قبول کر لو اور جب تک تم اصلاحِ احوال کرتے رہو گے تو ہم تمہیں ہرگز معزول نہیں کریں گے' اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت (آتش پرستی) پر قائم رہنا چاہے اس پر جزیہ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی مہر مبارک

ماضی قریب میں اصل شکل میں دریافت ہونے والے خطوط النبی ﷺ میں ایک بات مشترک ہے' وہ یہ کہ ان خطوط کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی مہر کندہ ہے جس کی عبارت سب سے زیادہ نمایاں اور صاف پڑھی جاتی ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ نے کسریٰ' قیصر اور نجاشی کی طرف خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ بغیر مہر لگے خط کو قبول نہیں کرتے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی جس کا چھلہ چاندی کا تھا اور اس میں تین سطور میں عبارت اس طرح کندہ تھی:

اللہ

رسول

محمد

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق' خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اور خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اپنی خلافت کے زمانہ میں پہنتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آخر عہدِ خلافت میں یہ انگوٹھی مدینہ کے ایک کنوئیں ''بیئر اریس'' کے اندر گر گئی جو بہت تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملی۔

اصلاحِ رسوم

حافظ محمد زبیر

اسلام ایک مکمل دین حیات ہے‘ جس میں انسانی ضروریات‘ حاجیات‘ طبائع‘ میلانات‘ رجحانات اور فطرت کا خصوصی دھیان رکھا گیا ہے۔ دین اسلام میں معاشرتی اقدار اور رسوم و رواج کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک شریعت اسلامیہ کے ثانوی مصادر میں سے ایک مصدر ’عرف‘ بھی ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ’عرف‘ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العرف هو ما اعتاده الناس وساروا عليه من كل فعل شاع بينهم[۱]

’’عرف سے مراد وہ افعال ہیں جنہیں لوگوں نے عادت بنا لیا ہو اور وہ ان پر عمل پیرا ہوں اور یہ افعال معاشرے میں عام ہوں۔‘‘

شریعت اسلامیہ میں عرف یا رواج دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے اور یہ ’عرفِ صحیح‘ ہے‘ جبکہ دوسرا وہ جو شریعت کی نظر میں نا قابل اعتبار ہے یا شرعی مقاصد کے خلاف ہے اور یہ ’عرفِ فاسد‘ ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

العرف الصحيح : هو ما تعارفه الناس دون أن يحرم حلالا أو يحل حراما... والعرف الفاسد : هو ما تعارفه الناس ولكنه يحل حراما أو يحرم حلالا كتعارفهم أكل الربا والتعامل مع المصارف بالفائدة واختلاط النساء بالرجال في الحفلات والأندية العامة.[۲]

’’عرفِ صحیح وہ عرف ہے جو لوگوں میں عام ہو لیکن اس کے ذریعے کوئی حلال‘ حرام اور کوئی حرام‘ حلال نہ بنتا ہو... جبکہ عرفِ فاسد وہ ہے جو لوگوں میں عام ہو لیکن کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال بنا دیتا ہو‘ جیسا کہ لوگوں میں سود کھانا اور بینکوں سے سودی فوائد حاصل کرنا عام ہے اور مرد و زن کا عمومی محافل و مجالس میں اختلاط عام ہے۔‘‘

پیدائش‘ شادی اور وفات انسانی زندگی کے تین اہم مراحل ہیں۔ ان مقامات کے

حوالے سے کچھ افعال ایسے ہیں جو دین اسلام سے ثابت ہوتے ہیں‘ جبکہ اس کے برعکس ان مواقع سے متعلق کچھ رسومات ایسی بھی پائی جاتی ہیں جنہیں اسلامی معاشروں نے ہندوانہ یا مغربی تہذیب سے مستعار لیا ہے اور وہ شریعتِ اسلامیہ یا اس کی اساسات یا اس کے مقاصد کے خلاف ہیں یا ان رسوم و رواج میں کفار سے مشابہت یا ان کے مذہبی شعائر کو اختیار کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان مواقع سے متعلق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائز اعمال و افعال اور مشہور بدعات و رسومات کا ایک مختصر جائزہ لیں گے۔

پیدائش کی رسومات

دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں بچے کی پیدائش کے حوالے سے مخصوص رسوم و رواج پائے جاتے ہیں اور اس مذہب کے حاملین ان رسومات کی ادائیگی کو ایک مذہبی فریضہ اور باعث تقدس خیال کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم مسلمانوں کے ہاں پیدائش کے موقع پر پائے جانے والی معروف رسومات کا ایک مختصر علمی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

اذان دینا اور اقامت کہنا

بچے کی پیدائش کے فوراً بعد ہمارے ہاں اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے۔ حضرت عبید اللہ بن رافع اپنے والد رافع سے بیان کرتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَذَّنَ فِيْ أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلَاةِ[۳]

’’میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ انہوں نے حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کے کان میں نماز کی طرح کی اذان کہی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں جنم دیا۔‘‘

امام ترمذیؒ نے اس روایت کو ’حسن صحیح‘ کہا ہے اور مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری نے ’تحفة الاحوذی‘ میں اسے ایک ’شاہد‘ [یعنی ایک دوسری روایت] کی وجہ سے ’قابل احتجاج‘ [یعنی قابلِ حجت] قرار دیا ہے‘ جبکہ اصلاً یہ روایت ایک راوی عاصم بن عبید اللہ کی وجہ سے ’ضعیف‘ ہے۔ شیخ بن باز‘ شیخ صالح العثیمین رحمہما اللہ اور ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے بھی اس روایت کو سنداً ضعیف ماننے کے باوجود اس کے ’شاہد‘ کی وجہ سے بچے کے دائیں کان میں اذان کے عمل کو جائز قرار دیا ہے‘ البتہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ’ضعیف جداً‘ قرار دیتے ہوئے اذان کے عمل کو غیر مشروع قرار دیا ہے۔ متقدمین میں امام مالکؒ بچے کے کان میں اذان دینے

کو شرعاً جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

((مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَذَّنَ فِیْ اُذُنِهِ الْیُمْنٰی وَاَقَامَ فِیْ اُذُنِهِ الْیُسْرٰی)) (۴)

''جس کسی کے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ اس کے دائیں کان میں اذان کہے اور بائیں کان میں اقامت کہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کو دو اسناد سے بیان کیا ہے اور دونوں اسناد کو 'ضعیف' کہا ہے' جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو 'موضوع' کہا ہے۔

متفرق روایات کے مطالعہ اور ان پر جرح و تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ جن روایات میں اذان اور اقامت دونوں کا تذکرہ ہے' ان کا ضعف قوی ہے جبکہ صرف اذان والی روایت 'ضعیف' ہونے کے باوجود اپنے 'شاہد' کی وجہ سے 'قابلِ احتجاج' ہو جاتی ہے۔ پس دائیں کان میں اذان کہنا مشروع ہے' جبکہ بائیں کان میں اقامت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

گھٹی دینا

بچے کی پیدائش پر' ماں کے دودھ کے علاوہ' اسے کوئی میٹھی شے چکھانا بھی سنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

''اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یُؤْتٰی بِالصِّبْیَانِ فَیُبَرِّکُ عَلَیْهِمْ وَیُحَنِّکُهُمْ'' (۵)

''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس [نومولود] بچے لائے جاتے تھے اور آپ ان کے لیے برکت کی دعا کرتے تھے اور ان کو گھٹی دیا کرتے تھے۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے پہلے بچے حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) کو کھجور کی گھٹی دی۔ (۶)

عقیقہ کرنا

بیٹے کی پیدائش پر دو اور بیٹی کی پیدائش پر ایک جانور ذبح کرنا چاہیے۔ حضرت اُمّ کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

((عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُکَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِیَةِ شَاةٌ)) (۷)

''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے۔''

عقیقہ ساتویں دن مسنون ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے

رسول ﷺ نے فرمایا:

((کُلُّ غُلَامٍ رَهِیْنَةٌ بِعَقِیْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ یَوْمَ سَابِعِهٖ)) (۸)

''ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے' اور پیدائش کے ساتویں دن اس بچے کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے گا۔''

اس روایت میں استطاعت کے باوجود عقیقہ نہ کرنے والے کے لیے وعید ہے۔ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں دن کیا جا سکتا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((اَلْعَقِیْقَةُ تُذْبَحُ لِسَبْعٍ وَلِاَرْبَعَ عَشَرَ وَلِاِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ)) (۹)

''عقیقہ کا جانور ساتویں' چودھویں اور اکیسویں دن ذبح کیا جائے گا۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح الجامع: ۴۱۳۲'' میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

حلق کروانا

ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ بچے کا حلق کروانا یعنی سر کے بال منڈوانا بھی مسنون ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((کُلُّ غُلَامٍ رَهِیْنَةٌ بِعَقِیْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ یَوْمَ سَابِعِهٖ وَیُحْلَقُ وَیُسَمّٰی)) (۱۰)

''ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے۔ پیدائش کے ساتویں دن اس بچے کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے گا اور اس کا حلق کیا جائے گا اور اس کا نام رکھا جائے گا۔''

ایک مرسل روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ نومولود کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا مسنون ہے۔ محمد بن علی بن حسین سے روایت ہے:

وَزَنَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَعَرَ حَسَنٍ وَحُسَیْنٍ فَتَصَدَّقَتْ بِزِنَتِهٖ فِضَّةً (۱۱)

''اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کا وزن کیا اور ان کے برابر چاندی صدقہ کی۔''

نام رکھنا

بچے کا نام رکھنے کے بارے ہمیں احادیث میں تفصیلی ہدایات ملتی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابی حضرت ابواُسید رضی اللہ عنہ کے بچے کی پیدائش والے دن اس کا نام 'منذر' رکھا۔ (۱۲)

بعض روایات میں ساتویں دن بچے کا نام رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى)) (۱۳)

''ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے۔ پیدائش کے ساتویں دن اس بچے کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے گا اور اس کا حلق کیا جائے گا اور اس کا نام رکھا جائے گا۔''

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور سب سے بدترین نام 'حرب' بمعنی جنگ اور 'مرۃ' بمعنی تلخ اور کڑوا ہیں' اور اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار سے سب سے سچے نام 'حارث' بمعنی کھیتی باڑی کرنے والا اور 'ہمام' بمعنی ارادہ کرنے والا ہیں۔ (۱۴)

ایک روایت میں ہے کہ تم اپنے بچوں کے اچھے نام رکھو' کیونکہ قیامت کے دن انہیں انہی ناموں اور ان کے باپ دادا کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ (ایضاً)

آپ ﷺ نے بعض نام رکھنے سے منع فرمایا ہے' جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے 'برۃ' نام رکھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو نیک مت کہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیک ہے۔ (ایضاً)

ناپسندیدہ مفہوم کے حامل ناموں کو تبدیل کرنا سنت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں ایک خاتون کا نام 'عاصیہ' بمعنی 'نافرمان' تھا تو آپ ﷺ نے اس کا نام تبدیل کر کے 'جمیلہ' رکھ دیا۔ (ایضاً)

ایک وفد آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو اس میں ایک شخص کی کنیت 'ابوالحکم' تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ 'حکم' تو اللہ کی ذات ہے' تم نے اپنا نام ایسے کیوں رکھا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے فیصلے کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ کنیت تبدیل کر کے اس کے بڑے بیٹے 'شریح' کے نام سے اس کی کنیت 'ابوشریح' رکھ دی۔ (ایضاً)

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو اپنا نام یعنی 'محمد' رکھنے کی اجازت دی ہے جبکہ اپنی کنیت 'ابوالقاسم' رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (۱۵)

ختنہ کروانا

نومولود کا ختنہ کرنا اسلامی شعار اور سنن میں سے ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْاَظْفَارِ)) (۱۶)

''پانچ چیزیں فطرت میں شامل ہیں: ختنہ کرنا' زیرِ ناف کے بال مونڈنا' بغل کے بال اُکھیڑنا' مونچھیں کتروانا اور ناخن کاٹنا۔''

برتھ ڈے منانا

برتھ ڈے یا یوم پیدائش منانے کی رسم بہت پرانی ہے۔ بعض تاریخی حقائق کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ماقبل کے مشرک معاشروں میں یوم پیدائش منانے کی رسم پائی جاتی ہے۔ ان مشرک معاشروں میں یہ عقیدہ عام تھا کہ کسی شخص کے پیدائش کے دن ارواحِ خبیثہ اس کا طواف کرتی ہیں اور اس پر اپنے برے اثرات چھوڑتی ہیں۔ ارواحِ خبیثہ کے ان برے اثرات سے بچنے کے لیے ایک شخص اپنے یوم پیدائش پر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو اپنے ہاں بلاتا تھا اور وہ اس کے گرد چکر کاٹتے ہوئے شور وغل کرتے تھے اور اپنے اس عمل کے ذریعے ارواحِ خبیثہ کو اس شخص سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

قدیم انسانی تاریخ میں بادشاہوں' سپہ سالاروں اور اہم مناصب پر فائز شخصیات کے ہاں اپنا یوم پیدائش منانے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ بعد ازاں مغربی معاشروں میں اس رسم کو عوامی سطح پر اپنا لیا گیا اور اس میں کیک کاٹنے' بتیاں جلانے اور بجھانے' ہیپی برتھ ڈے کارڈ بھیجنے اور اس موقع پر متعلقہ شخص کو تحائف دینے وغیرہ جیسی رسومات کا بھی اضافہ کر لیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ برتھ ڈے مغربی تہذیب کا ایک شعار ہے جو بقیہ تہذیبوں میں بھی سرایت کر رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کی روشنی میں ایسے اعمال وافعال کو اختیار کرنے سے اسلامی اجتماعیت کو روکا گیا ہے کہ جو غیر مسلموں کا شعار اور پہچان بن چکے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۱۷)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ اسی قوم میں شمار ہوگا۔''

اس فرمان میں اللہ کے رسول ﷺ نے کسی قوم کے شعائر' علامات اور رسوم ورواج میں مشابہت اختیار کرنے کو اس قوم کا حصہ بن جانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

دینِ اسلام میں غیر مسلموں کی تہذیب و شعار سے اختلاف و امتیاز کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مشرکین مکہ کا معمول یہ تھا کہ وہ سر کے بالوں کے درمیان سے مانگ نکالا کرتے تھے' لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ جب تک مکہ میں رہے تو مشرکینِ مکہ کی مخالفت میں سر کے بال پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ کی آمد مدینہ منورہ میں ہوئی تو یہاں یہود سر کے بال پیشانی پر چھوڑتے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے ان کی مخالفت میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔(۱۸)

شادی کی رسومات

پیدائش کے بعد انسانی زندگی کا ایک اہم مرحلہ شادی ہے۔ دنیا کے ہر مذہب میں اس موقع کی مناسبت سے مخصوص رسوم و رواج پائے جاتے ہیں۔ دین اسلام نے بھی خوشی کے اس موقع کو منانے کے لیے کچھ ہدایات جاری کی ہیں' جن کا خلاصہ ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

منگنی کرنا

عربی زبان میں منگنی کے لیے خاء کے کسرہ کے ساتھ 'خِطبہ' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسلام میں عقد نکاح سے پہلے منگنی کرنے یعنی نکاح کے لیے بات پکی کرنے کی اجازت ہے۔ (البقرۃ:۲۳۵)

اللہ کے رسول ﷺ نے منگنی پر منگنی کرنے سے منع کیا ہے یعنی اگر ایک شخص کی کسی جگہ منگنی یا بات طے ہو چکی ہو تو دوسرے شخص کو وہاں پیغام نکاح نہیں بھیجنا چاہیے۔(۱۹)

منگنی کے موقع پر بات پکی کرنے میں تاکید لانے کی غرض سے لڑکی کو سونے یا چاندی وغیرہ کی انگوٹھی پہنانے یا کوئی تحفہ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس کو لازم نہ سمجھا جائے اور اس میں اسراف کا پہلو نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے عام حالات میں تحائف کے تبادلہ کو باہمی محبت والفت کی بڑھوتری کا باعث قرار دیا ہے(۲۰) لیکن جن مواقع پر تحائف کا تبادلہ باقاعدہ رسم و رواج کی صورت اختیار کر چکا ہو ان مواقع پر اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اعلانِ نکاح

شادی کے موقع پر نکاح کی تشہیر اور اعلان مقصود و محمود ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَعْلِنُوْا ھٰذَا النِّکَاحَ))(۲۱) ''اس نکاح کا اعلان عام کیا کرو۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ایسے اعمال و افعال کی ترغیب دلائی ہے جو اعلانِ نکاح میں ممدّ و معاون ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شادی کے موقع پر شادی والے گھر میں

بچیوں کی طرف سے مہمانوں کو خوش آمدید کے گیت گانے کی ترغیب دلائی ہے' کیونکہ یہ عمل بھی اعلانِ نکاح میں سے ہی ہے۔(۲۲)

اسی طرح اعلانِ نکاح کی غرض سے شادی والے گھر میں لائٹنگ وغیرہ کرنا بشرطیکہ اس میں اسراف کا پہلو نہ ہو' ایک جائز امر ہے' تاہم یہ امر ملحوظ رہے کہ جائز افعال میں بھی اسراف کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ (الاعراف:۳۱)

زیادہ سے زیادہ لوگوں کا محفل نکاح میں شریک ہونا جائز عمل ہے' کیونکہ یہ اعلانِ نکاح ہی کا ایک جزو ہے۔ نکاح کا اعلان کرنے سے مقصود یہ بھی ہے کہ نکاح اور زنا میں فرق واضح ہو' یعنی نکاح وہ ہے جو اعلانیہ ہوتا ہے اور بدکاری چوری چھپے ہوتی ہے۔ لڑکی اور لڑکے کے اولیاء' سرپرستوں اور خاندان والوں کا نکاح میں شریک ہونا بھی اعلانِ نکاح میں شامل ہے۔

عقدِ نکاح کی محفل کو مسجد میں منعقد کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے' کیونکہ اس سے کئی قسم کی ناروا تقریبات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور بلاشبہ یہ خیر و برکت کا باعث بھی ہے۔(۲۳)

ولیمہ

عقد نکاح کے بعد لڑکے کی طرف سے دعوتِ طعام مسنون عمل ہے اور اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ تشریف لائے اور ان کے کپڑوں پر خوشبو کے نشان تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ میں نے شادی کی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ))(۲۴) ''ولیمہ کرو' چاہے ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بعض ازواج کا ولیمہ دو مُد (تقریباً ۱۲۰۰ گرام) جو کے ساتھ کیا۔(۲۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ ہونا چاہیے' چاہے کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو۔

مخلوط معاشرت

شادی کی بدعات میں سے ایک قبیح رسم مخلوط معاشرت کی ہے۔ ہمارے ہاں شادی بیاہ کے موقع پر عموماً مردوں اور عورتوں کے لیے بیٹھنے اور کھانے کا انتظام ایک ہی جگہ یا ایک ہی ہال یا سائبان کے نیچے کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی مخلوط محافل میں عموماً عورتیں فل میک اپ' جیولری' تنگ' باریک اور مختصر لباس کے ذریعے اپنی زیب و زینت اور جسمانی اعضاء کا اظہار کرتی ہیں اور مَردوں کے قلوب و اذہان میں ہیجانی کیفیات پیدا کرتے ہوئے زنا و بدکاری کے راستے

ہموار کرتی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے چند ایک مخصوص مواقع مثلاً حج، نماز اور میدانِ جنگ وغیرہ کے علاوہ، مرد وزن کے اجتماعات سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ عورتوں کو دیکھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھروں کو جاتے وقت راستے کے درمیان چل رہی تھیں جس کی وجہ سے مَردوں سے اُن کا اختلاط ہو رہا تھا، تو آپ ﷺ نے اُس موقع پر اُنہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

((عَلَیْکُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِیْقِ)) فَکَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَلْتَصِقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اِنَّ ثَوْبَھَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُصُوْقِھَا بِہٖ (۲۶)

”راستے کے کنارے پر چلو“۔ (راوی کہتے ہیں) اس کے بعد عورت دیوار کے ساتھ اس طرح لگ کر چلتی تھی کہ دیوار کے ساتھ لگنے کی وجہ سے اُس کے کپڑے دیوار کے ساتھ چمٹ جاتے تھے۔“

رسمِ مہندی

یہ رسم کئی علاقوں میں مختلف انداز واعتبار سے منائی جاتی ہے۔ اس کی بعض صورتیں انتہائی قبیح ہیں، مثلاً مخلوط معاشرت، میوزک اور ڈانس پارٹیوں وغیرہ کی صورت میں دولہا اور دولہن کو مہندی لگانا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دینِ اسلام میں مردوں کے لیے اپنے بالوں اور عورتوں کے لیے اپنے بالوں اور جسم وغیرہ پر خوبصورتی کے حصول کے لیے مہندی لگانا جائز ٹھہرایا گیا ہے اور بعض روایات میں مہندی لگانے کی ترغیب بھی ہے، چنانچہ فی نفسہٖ یہ ایک جائز عمل ہے۔(۲۷)

لہٰذا اگر دلہن کی گھر کی خواتین یا سہیلیوں میں کچھ سہیلیاں اس کی زیب وزینت کے لیے اس کے گھر اجتماع کر لیں اور مہندی لگا لیں یا کوئی خوشی منا لیں یا گپ شپ کر لیں تو اس قسم کے اجتماع کے ناجائز ہونے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے، لیکن عرفِ عام میں اسے ’رسم حنا‘ یا ’رسم مہندی‘ نہیں کہتے ہیں، بلکہ عرف میں ’رسم حنا‘ یا ’مہندی‘ سے مراد مخلوط معاشرت، میوزک، ڈانس پارٹیاں، اجتماعی طعام، دولہا کے گھر سے دولہن کے گھر جلوس کی صورت میں مہندی لگانے کے لیے جانا وغیرہ ہیں، اور یہ عمل شرعاً درست نہیں ہے۔

بارات اور اس کا کھانا

اس رسم کے مطابق لڑکے کے گھر والے نکاح کے دن ایک ہجوم کی صورت میں لڑکی کے

گھر روانہ ہوتے ہیں۔ عموماً بارات میں ڈھول یا بینڈ باجا، دولہا کے سر پر روپے پھینکنا، آتش بازی، دولہا کو روپوں کے ہار پہنانا اور بھنگڑا ڈالنا وغیرہ جیسی خلافِ شرع رسمیں پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک ڈھول یا بینڈ باجے کا تعلق ہے تو دینِ اسلام نے ہر طرح کے آلاتِ موسیقی کو حرام قرار دیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ)) (۲۸)

”میری امت میں کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی حلال کر لیں گے۔“

اسی طرح موسیقی کی حرمت پر کئی ایک صریح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ صحابہ، تابعین، فقہائے اربعہ اور محدثین کے مذاہب کے مطابق بھی موسیقی حرام ہے۔ اس بارے میں تفصیلی مطالعہ کے لیے علامہ البانی کی کتاب ’تحریم آلات الطرب‘ یا اس کے اردو ترجمہ وتشریح ”موسیقی حرام نہیں؟“ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

آتش بازی اور دولہا کے سر پر روپے پھینکنا فضول خرچی میں داخل ہیں، لہٰذا ناجائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیاطین کا بھائی قرار دیا ہے۔ (الإسراء: ۲۷)

لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے عموماً بارات کے لیے کھانے کا انتظام بھی ہوتا ہے جو لڑکی کے والدین اور اولیاء کے لیے ایک اضافی معاشی بوجھ ہے جس کے سبب سے والدین کی اکثریت قرض کے بوجھ تلے دب جاتی ہے۔ ایسی معاشرتی رسومات اور رواجات جو عوام الناس کے لیے کسی بھی پہلو سے بوجھ، اذیت یا تکلیف کا سبب بنیں تو انہیں قرآن نے ’إصر‘ اور ’أغلال‘ قرار دیا ہے۔ اور اسی ’إصر‘ اور ’أغلال‘ کو مٹانے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ ط﴾ (الأعراف:۱۵۷)

”اور (اللہ کے رسول ﷺ) ان سے وہ بوجھ اور طوق اتارتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے ہیں۔“

جہیز کی رسم

مسلمان معاشروں میں شادی بیاہ کے موقع کے ’إصر وأغلال‘ میں سے سب سے بڑا بوجھ اس وقت جہیز ہے۔ یہ رسم اس وقت اس قدر قبیح صورت اختیار کر گئی ہے کہ اکثر بچیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ساری عمر بن بیاہے اپنے والدین کے ہاں گزار دیتی ہیں اور ان کے لیے کوئی مناسب رشتہ نہیں ملتا۔ دوسری طرف کم جہیز لانے والی بہوؤں کو طعنے دیے جاتے ہیں اور

سسرال میں ان کی زندگی اجیرن بنا دی جاتی ہے۔ بعض اوقات تو لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کی ایک باقاعدہ فہرست لڑکی والوں کو بھجوائی جاتی ہے اور اسے لڑکے والے مالِ غنیمت کی طرح اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں۔

یہ قباحت بھی ہمارے معاشروں میں عام ہے کہ بیٹی کو جہیز کے نام پر کچھ دے دلا کر ساری وراثت صرف بیٹوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے اور بیٹی کو اس کے وراثت کے جائز حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسلام نے بیٹے اور بیٹی دونوں کے لیے وراثت میں حصہ مقرر کیا ہے اور بیٹی کو وراثت میں اس کا حصہ دینا فرض ہے۔ (النساء: ۷۔۱۴)

والدین کی طرف سے اپنی اولاد کو تحفے تحائف دیے جا سکتے ہیں اور اس عمل کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن یہ تحائف شادی بیاہ کے موقع پر دینے کی بجائے اس موقع سے پہلے یا بعد میں دیے جائیں تاکہ معاصر جہیز کی قبیح رسم کی مشابہت لازم نہ آئے اور غریب لڑکیوں کی شادی میں رکاوٹ اس قبیح رسم سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکے۔ دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ ان تحائف کے نام پر پورے گھر کا سامان ہی نہ دے دیا جائے جو پھر جہیز سے مشابہت کی ہی ایک قسم ہے۔

بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ کو شادی کے موقع پر ایک چادر، چمڑے کا مشکیزہ اور تکیہ بطور تحفہ عنایت کیا(۲۹)۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ؓ نے اپنی زرہ اور کچھ دوسرا سامان بیچ کر ۴۸۰ درہم بطور حق مہر اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے کیے تھے اور آپ ﷺ نے اس رقم کے دو تہائی سے حضرت فاطمہ ؓ کے لیے خوشبو اور ایک تہائی سے کپڑے تیار کروائے۔(۳۰)

پس لڑکے کی طرف سے اگر رخصتی سے پہلے ہی حق مہر ادا کر دیا جائے اور اس حق مہر کی رقم سے لڑکی کے والدین دولہن کے لیے کچھ گھر کا سامان یا کپڑے وغیرہ تیار کر دیں تو اس کا جواز مذکورہ بالا روایت سے نکلتا ہے۔ اسی طرح اگر والدین بغیر کسی نمائش کے بیٹی کو شادی کے موقع پر کوئی دو تین اشیاء بطور تحفہ دے دیں تو اس کا بھی جواز ہے، لیکن معروف جہیز یعنی گھر کا جمیع سامان مع فرنیچر، برتن، کپڑے، مشینری، حتیٰ کہ سواری اور بعض اوقات تو گھر بھی اس میں شامل ہوتا ہے، کا جواز اس روایت سے کسی صورت بھی نہیں نکلتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ والی روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے اور جواز کو

حق بنا لینا شریعت میں بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ شرع میں ایک فعل مباح ہے اور معاشرہ اپنے رویے اور عمل سے اس فعل کو فرض بنا لے تو اس بارے میں معاشرے پر نکیر فرض ہے۔ پس جائز کو عملاً فرض کا درجہ دے دینا بھی ایک بگاڑ ہے کہ جس کی اصلاح ضروری ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ بیٹی کو شادی کے موقع پر کسی فرد کا انفرادی حیثیت میں کچھ دے دینے کا جائز ہونا اور بات ہے، جبکہ معاشرے کا اسے بیٹی یا سسرال کا حق سمجھنا یا اس کا مطالبہ کرنا بالکل ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اہلِ اصول نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ بعض اوقات ایک کام اپنی انفرادی حیثیت میں جائز ہوتا ہے لیکن معاشرے کے لیے اجتماعی سطح پر اس کا ارتکاب ممنوع ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی وقت نماز کی سنن مؤکدہ ترک کر دیتا ہے تو اس پر نکیر لازم نہیں ہے، لیکن اگر معاشرہ اجتماعی طور پر نماز کی سنن ترک کر دے تو اس معاشرے پر نکیر لازم آئے گی۔ پس فرد کے لیے کسی کام کے جواز کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کام معاشرتی اور اجتماعی سطح پر بھی جائز قرار پائے۔

وفات کی رسومات

پیدائش اور شادی بیاہ کی طرح دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں انسان کی وفات کے حوالے سے بھی کچھ نہ کچھ مذہبی رسومات اور رواجات پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں ہم وفات سے متعلقہ دین اسلام میں پائی جانے والی رسومات کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

قریب الموت کو کلمہ طیبہ کی تلقین

جو مسلمان نزع کی حالت میں ہو تو اسے کلمہ طیبہ پڑھنے کی تلقین کرنا مسنون ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ))(۳۱)

''اپنے مردوں (یعنی مرنے کے قریب افراد) کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔''

ایک روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات کی وصیت کی ہے کہ قریب الموت مریض یا مردوں کے حق میں خیر کی بات کہنی چاہیے، کیونکہ ان کے بارے میں جو بھی بات کہی جاتی ہے، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔(۳۲)

قریب الموت کے پاس سورۂ یٰسین کی تلاوت کرنا یا اس کو قبلہ رخ لٹانا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے(۳۳)۔ لیکن اسے بدعت قرار دینا بھی ایک مشکل امر ہے‘ کیونکہ یہ قرآن کی تلاوت ہے‘ اور قرآن کی تلاوت بذاتہٖ کسی بھی وقت ہو یا کسی کے پاس ہو‘ دونوں صورتوں میں جائز ہے‘ البتہ اس عمل کو سنت سمجھ کر نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ظہر کی نماز کے بعد ۱۰ رکعت نفل نماز پڑھتا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ بذاتہٖ ایک جائز اور مشروع عمل ہے‘ لیکن کیا اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کیا ہے؟ یا یہ عمل سنت ہے؟ تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ پس خلافِ سنت اور غیر مسنون عمل میں فرق ہے۔ خلافِ سنت عمل یعنی جو سنت کے خلاف ہو وہ تو ہر حال میں مذموم اور بدعت ہے‘ جبکہ غیر مسنون عمل یعنی جس کی مثال سنت میں نہ ہو‘ بعض صورتوں میں بدعت ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں جائز ہوتا ہے جبکہ اس کی اصل کتاب وسنت سے ثابت ہو رہی ہو۔

اسی طرح میت کے سرہانے قرآن پاک رکھنے اور اسے میت کے ساتھ قبرستان لے جانے کے بارے میں بھی کوئی روایت ثابت نہیں ہے‘ لہٰذا اس عمل سے اجتناب کرنا چاہیے۔

نوحہ کرنا

میت پر چیخ وپکار کرنا یا گریبان پھاڑنا یا سینہ پیٹنا یا نوحہ کرنا یا بین کرنا وغیرہ حرام ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ)) (۳۴)

’’جس نے اپنے گالوں کو پیٹا اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی چیخ وپکار کی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔‘‘

البتہ میت پر رونے اور آنسو بہانے کی اجازت ہے۔ اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ)) (۳۵)

’’آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے‘ مگر ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی کی وجہ سے غمگین ہیں۔‘‘

وفات کا اعلان کرنا جائز ہے‘ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نجاشی کی وفات کا اعلان کروایا اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔(۳۶)

غسل دینا اور کفن پہنانا

میت کو غسل دینا واجب ہے‘ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے مُردوں کو غسل دینے کا حکم دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی حضرت زینب ؓ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے غسل دینے والی عورتوں سے فرمایا:

((اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ‘ وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا ‘ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ)) فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقٰى اِلَيْنَا حِقْوَهُ‘ فَقَالَ: ((اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ)) (۳۷)

’’انہیں تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے زائد (یعنی سات مرتبہ) بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو اور آخری مرتبہ میں اس میں کچھ کافور بھی ملا دینا۔ پھر جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا‘‘۔ پس ہم عورتوں نے آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ نے اپنا تہبند مبارک ہمیں دیا اور فرمایا: ’’اس تہبند کو انہیں سب سے نیچے پہنا دو۔‘‘

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفن کے لیے نیا کپڑا ہونا شرط نہیں ہے‘ پرانا کپڑا بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کفن کے کپڑوں کا رنگ کوئی سا بھی ہو سکتا ہے‘ اگرچہ سفید رنگ کا کفن پسندیدہ اور مستحب ہے(۳۸)۔ ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔(۳۹)

ایک روایت کے مطابق جو میت کو غسل دے اس کے لیے غسل کرنا اور جو میت کو کندھا دے اس کے لیے وضو کرنا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے۔(۴۰)

جمہور علماء کے نزدیک ’بغلی‘ اور ’شق‘ دونوں قسم کی قبریں بنانا جائز ہے‘ لیکن آپ ﷺ نے بغلی قبر کو مسلمانوں کے لیے زیادہ پسند فرمایا ہے۔(۴۱)

سوگ منانا

میت کے لیے تین دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے‘ جبکہ عورت کو اپنے خاوند کے لیے چار ماہ دس دن تک سوگ منانے کا حکم ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ ‘ فَاِنَّهَا تُحِدُّ عَلَیْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)) (۴۲)

’’کسی ایسی عورت کے لیے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو‘ یہ جائز نہیں ہے کہ

وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے اپنے شوہر کے۔ عورت اپنے شوہر کا سوگ ۴ ماہ اور ۱۰ دن منائے گی۔‘‘

واضح رہے کہ یہ چار ماہ اور دس دن قمری مہینوں کے اعتبار سے ہیں نہ کہ شمسی یعنی عیسوی کیلنڈر کے اعتبار سے۔

دفنانے کے بعد میت کے لیے دعا کرنا

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کسی میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے تھے:

((اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ)) (۴۳)

’’تم اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور اس کے لیے [اللہ تعالیٰ سے] ثابت قدمی کا سوال کرو‘ کیونکہ اب اس سے سوال و جواب ہو رہے ہیں۔‘‘

پس میت کو دفنانے کے بعد اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کی ثابت قدمی اور اس کے لیے استغفار کی دعا کرتے رہنا چاہیے تاکہ اسے مانوسیت حاصل ہو۔

قبر پر قرآن پڑھنا یا اذان دینا

قبر پر قرآن کی تلاوت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی صریح صحیح روایت منقول نہیں ہے۔ بعض روایات سے بطورِ اشارہ علماء کی ایک جماعت نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ قبر پر قرآن کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ ' اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِیْ تُقْرَاُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ)) (۴۴)

’’اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ (اور قرآن کی تلاوت کیا کرو) بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی جاتی ہو۔‘‘

اس روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے گھروں میں تلاوت نہ کرنے کو انہیں قبرستان بنانے کے مترادف قرار دیا ہے‘ کیونکہ قبرستان میں تلاوت نہیں کی جاتی۔

میت کو دفنانے کے بعد اس کی قبر کے ایک طرف سورۃ البقرۃ کی شروع کی پانچ آیات اور دوسری طرف سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات پڑھنے والی روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے ’ضعیف‘ قرار دیا ہے۔ (۴۵) البتہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس کی

وصیت کی تھی اور اسی بنیاد پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس عمل کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

قبر پر اذان دینے کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت مروی نہیں ہے اور نہ ہی یہ عمل صحابہ‘ تابعین‘ تبع تابعین یا سلف صالحین کے زمانے میں ہمیں کہیں ملتا ہے‘ لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ اذان کا عمل صرف فرض نماز کے اجتماع کے لیے مشروع کیا گیا ہے‘ جیسا کہ اذان کی ابتدا کے بارے میں مروی احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ (۴۶)

شریعت اسلامیہ میں اذان کے لیے اوقات اور مقاصد مقرر کیے گئے ہیں‘ یعنی نماز سے قبل اذان کا حکم دیا گیا ہے اور نماز کے اجتماع کے لیے مشروع کیا گیا ہے‘ لہٰذا ان اوقات اور مقاصد کے علاوہ اذان دینا سنت کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔

تعزیت کرنا اور اس کے لیے جمع ہونا

میت کے ورثاء سے تعزیت کرنا مسنون عمل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو آپؐ کی ایک بیٹی نے اپنے ایک بچے کے حوالے سے بلوا بھیجا جو نزع کی حالت میں تھا تو آپؐ نے اس بچے کی تعزیت کے حوالے سے اپنی بیٹی سے یہ الفاظ کہے:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ)) (۴۷)

’’بے شک اللہ ہی کا ہے جو اُس نے ہم سے لے لیا ہے‘ اور جو اُس نے ہمیں دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ اور ہر چیز کا اللہ کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ پس تم صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔‘‘

پس میت کے ورثاء سے ان الفاظ کے ساتھ تعزیت کی جا سکتی ہے یا اس حدیث کی روشنی میں انہیں صبر کی تلقین یا ان کے حق میں صبر اور اللہ سے اس مصیبت پر اجر کی دعا کی جا سکتی ہے۔

میت کے ورثاء کو اس قسم کی مصیبت پر جو دعا سکھائی گئی ہے وہ یہ ہے:

((اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ' اَللّٰهُمَّ اَجُرْنِیْ فِیْ مُصِيْبَتِیْ وَاَخْلِفْ لِیْ خَيْرًا مِنْهَا)) (۴۸)

’’بے شک ہم بھی اللہ ہی کے ہیں اور بے شک اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت اور تکلیف میں اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر عنایت فرما۔‘‘

یہ دعا اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابیہ حضرت اُمّ سلمہ ؓ کو ان کے شوہر کی وفات پر تلقین کی تھی اور وہ کہتی تھیں کہ میں یہ سوچتی تھی کہ میرے شوہر حضرت ابوسلمہ ؓ سے بڑھ کر یا بہتر میرے لیے کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے بدلے میں مجھے اللہ کے رسول ﷺ کی زوجیت عطا فرمائی۔

علامہ البانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ تعزیت کرنا تو مسنون ہے اور کرنی چاہیے‘ لیکن تعزیت کے لیے میت کے گھر اجتماع کو صحابہ کرام ؓ پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی ؓ سے روایت ہے:

((كُنَّا نَرَى الْاِجْتِمَاعَ إِلٰى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ)) (۴۹)

’’ہم صحابہ کرام (ؓ) میت کے گھر میں جمع ہونے اور کھانا پکانے کو نوحہ کے حکم میں سے سمجھتے تھے۔‘‘

ہماری رائے یہ ہے کہ صحابہ ؓ جس اجتماع کو ناپسند جانتے تھے وہ کھانے کے لیے میت کے گھر اجتماع ہے نہ کہ تعزیت کے لیے اجتماع۔ پس اس مکمل روایت پر ایک ساتھ غور کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔

صحابہ ؓ مطلق اجتماع یا میت کے گھر تعزیت کے لیے اجتماع کو کیسے ناپسند قرار دے سکتے ہیں جبکہ مباح‘ مستحب اور فرض امور کے لیے اجتماع‘ دینِ اسلام میں ممنوع نہیں ہے۔ لہٰذا تعزیت ثابت ہے اور ورثاء کے لیے تین دن تک سوگ منانا بھی جائز ہے تو تعزیت کے لیے تین دن تک اجتماع کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی بنیاد پر مسئلہ میں سختی کی ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ تین دن سے زائد اجتماع صحیح نہیں ہے۔

تیجا‘ چوتھا‘ چہلم وغیرہ کرنا

میت کے گھر والوں کی طرف سے برادری یا تعزیت کرنے والوں کے لیے یا مسجد کے مولوی صاحب کے لیے کھانا پکانا سنت سے ثابت نہیں ہے۔ غریب عوام کھانے کی ان رسموں کو پورا کرتے کرتے قرضوں کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں‘ جبکہ دوسری طرف ایک خاص مذہبی طبقے نے یہ تصور عام کر رکھا ہے کہ جب تک میت کے ورثاء کی طرف سے کھانے کھلانے کی یہ رسمیں پوری نہ ہوں تو اس وقت تک میت کی مغفرت نہیں ہوتی۔ بلاشبہ یہ رسمیں غریب عوام کے لیے ’اصر و اغلال‘ کا درجہ رکھتی ہیں کہ جنہیں ختم کرنا آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔

میت کے گھر سے کھانا کھانا تو دور کی بات ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے کی تلقین کی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کی شہادت کی خبر جب ان کے گھر پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ ؓ سے فرمایا کہ آلِ جعفر کے ہاں کھانا بھجواؤ کیونکہ انہیں ایک ایسا غم لاحق ہوا ہے جس نے انہیں کھانے سے بے خبر کر دیا ہے۔ (۵۰)

سطورِ بالا میں حضرت جریر بن عبداللہ البجلی ؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام ؓ میت کے گھر میں کھانا کھانے اور اجتماع کرنے کو ناپسند جانتے تھے۔

رسمِ قل

عبادات کی دو قسمیں ہیں: مالی عبادات اور بدنی عبادات۔ مالی عبادات مثلاً صدقہ و خیرات وغیرہ کے بارے میں تو اہل علم کا اتفاق ہے کہ ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جبکہ بدنی عبادات کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور بعض شافعیہ کا موقف یہ ہے کہ میت کو بدنی عبادات کا بھی ثواب پہنچتا ہے‘ جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بدنی عبادات کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ (۵۱)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس مسئلے میں اس قول کو راجح قرار دیتے ہیں جس کے مطابق بدنی عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے‘ اور نصوص کی روشنی میں بظاہر یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ:

’’اَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: اِنَّ اُمِّيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَتْ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا‘ أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى اُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً اَقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ)) (۵۲)

’’جہینہ قبیلے کی ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور اُس نے کہا: میری ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی لیکن وہ حج کیے بغیر مرگئی‘ تو کیا میں اُس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں! اس کی طرف سے حج کرو۔ [آپ ﷺ نے مزید فرمایا:] تیرا کیا خیال ہے اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تو اسے ادا نہ کرتی؟ پس اللہ کا قرض ادا کرو‘ کیونکہ وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔‘‘

اس روایت سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے نذر پوری کی جائے گی اور اس کے ذمہ واجب الادا حج مکمل کیا جائے گا اور اس پر موجود قرض بھی ورثاء ادا کریں گے۔ پس نذر اور حج

تو مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا مجموعہ ہیں جبکہ قرض کی ادائیگی معاملات میں سے ہے۔ لہٰذا یہ روایت میت کی طرف سے مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کی ادائیگی کی صحت کی دلیل ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت سے یہ دلیل بھی پکڑی ہے کہ میت کے ایصال کے لیے نفل نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے‘ کیونکہ طواف حج کا ایک اہم رکن ہے اور مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز نفل طواف کا حصہ ہے‘ لہٰذا میت کے لیے نفل نماز ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ: لَبَّیْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ ((مَنْ شُبْرُمَةُ؟)) قَالَ: اُخٌ لِیْ اَوْ قَرِیْبٌ لِیْ‘ قَالَ ((حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟)) قَالَ لَا! قَالَ: ((حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ)) (٥٣)

’’اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو یہ کہہ رہا تھا: شبرمہ کی طرف سے لبیک! آپ ﷺ نے فرمایا: ’’شبرمہ کون ہے؟‘‘ اُس نے جواب دیا کہ میرا بھائی یا قریبی عزیز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تو نے اپنا حج کیا ہے؟‘‘ اُس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے اپنا حج کر اور پھر شبرمہ کی طرف سے کرنا۔‘‘

اسی طرح دعا بھی بدنی عبادات میں شامل ہے اور میت کے لیے دعا کے جائز ہونے میں اہل علم کا اتفاق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ﴾ (الحشر: ١٠)

’’اور جو لوگ ان کے بعد آئے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں۔‘‘

اس کے برعکس بعض روایات میں یہ تذکرہ ہے کہ انسان کی موت کے ساتھ اس کا عمل اس سے منقطع ہو جاتا ہے‘ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٌ جَارِیَةٌ وَعِلْمٌ یُنْتَفَعُ بِهٖ وَوَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَهٗ)) (٥٤)

’’جب انسان مر جاتا ہے تو اس سے اس کا ہر عمل [یعنی اس عمل کا ثواب] منقطع ہو جاتا ہے‘ مگر تین قسم کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ‘ دوسرا ایسا علم جس سے فائدہ حاصل ہو اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔‘‘

اس حدیث مبارکہ میں انسان کے اپنے عمل کا ثواب اس سے منقطع ہونے کی بات ہے جبکہ غیر کے عمل کا ثواب اس کو پہنچنا یا نہ پہنچنا‘ اس روایت میں زیر بحث نہیں ہے۔

پس میت کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کو بدعت نہیں کہا جاسکتا‘ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ خیر القرون میں یہ رسم موجود نہیں تھی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں میت کے لیے دُعا کا مقصد کیا ہے؟ وہ واضح ہے‘ یعنی میت کی برزخی اور اخروی نجات میں اس کی معاونت کرنا۔ پس اس معاونت کی اجازت جب دعا کی صورت جائز ہے تو ایصالِ ثواب کی صورت تو بالاولیٰ جائز ہونی چاہیے۔ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اگر اس موقع پر تعزیت کے لیے مجتمع ہونے والے افراد کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام ہو جائے تو یہ وعظ ونصیحت کا ایک بہترین موقع معلوم ہوتا ہے۔ باقی رہا قرآن خوانی کے ساتھ دعوتِ طعام کا اجتماع‘ تو یہ خلافِ سنت ہے‘ جیسا کہ پہلے روایات گزر چکی ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قرآن پڑھ کر میت کے لیے ایصالِ ثواب کے جواز پر بہت عمدہ مفصل نقلی وعقلی بحث ’مجموع الفتاویٰ‘ میں کی ہے۔ البتہ اجرت پر قرآن پڑھوا کر ایصالِ ثواب یا قبر کے گرداگرد بیٹھ کر قرآن خوانی یا کسی خاص دن مثلاً جمعرات یا چالیسویں دن قرآن خوانی وغیرہ جیسی رسومات مخصوص بدعتی عقائد کی حامل اور شرعاً ناجائز ہیں‘ کیونکہ ان میں مقصود محض ایصالِ ثواب نہیں ہوتا‘ بلکہ یہ اعمال کچھ دیگر ہندوانہ عقائد یا رسومات کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔

قبر پکی کرنا یا اس پر عمارت بنوانا یا اس پر بیٹھنا

اللہ کے رسول ﷺ نے قبر پکی کروانے یا اس پر گنبد یا مزار تعمیر کرنے یا اس پر مجاور بن کر بیٹھنے سے منع کیا ہے اور یہ سارے اعمال بدعات میں سے ہیں۔ حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ:

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ یُقْعَدَ عَلَیْهِ وَاَنْ یُبْنٰی عَلَیْهِ (٥٥)

’’اللہ کے رسول ﷺ نے قبریں پکی کروانے‘ ان پر بیٹھنے اور ان پر عمارت بنوانے سے منع کیا ہے۔‘‘

حواشی

(١) اصول الفقه الإسلامی : ٢/ ٨٢٨۔

(٢) اصول الفقه الإسلامی : ٢/ ٨٣٠۔

(٣) سنن أبی داوٗد' کتاب الأدب' باب فی الصبی یولد فیؤذن فی أذنہ۔
(٤) شعب الإیمان' کتاب الستون من شعب الإیمان' باب فی حقوق الأولاد والأھلین۔
(٥) صحیح مسلم' کتاب الاداب' باب استحباب تحنیك المولود عند ولادتہ ۔ وسنن أبی داوٗد' کتاب الأدب' باب فی الصبی یولد فیؤذن فی أذنہ۔ واللفظ للمسلم۔
(٦) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب ھجرۃ النبیﷺ وأصحابہ إلی المدینۃ۔
(٧) سنن أبی داوٗد' کتاب الضحایا' باب فی العقیقۃ۔
(٨) ایضاً۔
(٩) السنن الکبری للبیھقی' کتاب الضحایا' باب ما جاء فی وقت العقیقۃ وحلق الرأس والتسمیۃ۔
(١٠) سنن أبی داوٗد' کتاب الضحایا' باب فی العقیقۃ۔
(١١) موطأ مالك' کتاب الضحایا' باب العقیقۃ۔
(١٢) صحیح البخاری' کتاب الأدب' باب تحویل الإسم إلی إسم أحسن منہ۔
(١٣) سنن أبی داوٗد' کتاب الضحایا' باب فی العقیقۃ۔
(١٤) سنن أبی داوٗد' کتاب الأدب' باب فی تغییر الأسماء۔
(١٥) صحیح البخاری' کتاب الأدب' باب قول النبیﷺ سموا باسمی ولاتکتنوا۔
(١٦) صحیح البخاری' کتاب الاستئذان' باب الختان بعد الکبر ونتف الإبط۔
(١٧) سنن أبی داوٗد' کتاب اللباس' باب فی لباس الشھرۃ۔
(١٨) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب الفرق۔
(١٩) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب لایخطب علی خِطبۃ أخیہ۔
(٢٠) السنن الکبری للبیھقی' کتاب الھبات' باب التحریض علی الھبۃ والھدیۃ۔
(٢١) سنن ابن ماجہ' کتاب النکاح' باب إعلان النکاح۔
(٢٢) سنن ابن ماجہ' کتاب النکاح' باب الغناء والدف۔
(٢٣)http://islamqa.com/ar/ref/87898۔
(٢٤) موطأ مالك' کتاب النکاح' باب ماجاء فی الولیمۃ۔
(٢٥) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب من أولم بأقل من شاۃ۔
(٢٦) سنن أبی داوٗد' کتاب الأدب' باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق۔
(٢٧) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب الخضاب ۔ وسنن أبی داوٗد' کتاب الترجل' باب فی الخضاب للنساء ۔
(٢٨) صحیح البخاری' کتاب الأشربۃ' باب ما جاء فیمن یستحل الحر۔
(٢٩) شعب الإیمان' کتاب الحادی والسبعون' باب فی الزھد وقصر الأمل۔
(٣٠) مجمع الزوائد : ١٧٨/٩۔

(٣١) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب تلقین الموتی لا إلہ إلا اللّٰہ۔
(٣٢) سنن الترمذی' کتاب الجنائز عن رسول اللّٰہﷺ' باب ماجاء فی تلقین المریض عند الموت والدعاء لہ عندہ۔
(٣٣) أحکام الجنائز : ص ١١' المکتب الإسلامی' بیروت' الطبعۃ الرابعۃ' ١٩٨٦ء۔
(٣٤) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب لیس منا من شق الجیوب۔
(٣٥) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبیﷺ إنا بل لمحزونون۔
(٣٦) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب التکبیر علی الجنازۃ أربعا۔
(٣٧) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما یستحب أن یغسل وترا۔
(٣٨) صحیح الجامع : ٤٠٧٤۔
(٣٩) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الکفن بلا عمامۃ۔
(٤٠) مسند أحمد : ٤٥٤/٢' مؤسسۃ قرطبۃ' القاھرۃ۔
(٤١) سنن أبی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی اللحد۔
(٤٢) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب إحداد المرأۃ علی غیرزوجھا۔
(٤٣) سنن أبی داوٗد' کتاب الجنائز' باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف۔
(٤٤) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا ' باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ۔
(٤٥) أحکام الجنائز : ص ١٣' المکتب الإسلامی' بیروت۔
(٤٦) صحیح البخاری' کتاب الأذان' باب بدء الأذان۔
(٤٧) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبیﷺ یعذب المیت ببعض۔
(٤٨) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب ما یقال عند المصیبۃ۔
(٤٩) سنن ابن ماجہ' کتاب ما جاء فی الجنائز' باب ماجاء فی النھی عن الاجتماع إلی أھل المیت۔
(٥٠) سنن الترمذی' کتاب الجنائز عن رسول اللّٰہﷺ' باب ما جاء فی الطعام یصنع لأھل البیت ۔
(٥١) مجموع الفتاویٰ : ٢٤/ ٣١٥' دار الوفاء' الطبعۃ الثالثۃ' ٢٠٠٥ء۔
(٥٢) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب الحج والنذور عن المیت۔
(٥٣) سنن أبی داوٗد' کتاب المناسك' باب الرجل یحج عن غیرہ۔
(٥٤) سنن الترمذی' کتاب الأحکام عن رسول اللّٰہﷺ' باب فی الوقف۔
(٥٥) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب النھی عن تجصیص القبر والصلاۃ علیہ۔

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی بے خبری یا تجاہل عارفانہ

مفتی محمد سعید خان ☆

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب‘ عصرِ حاضر کی ان نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ایک ہیں‘ جن کے قارئین کا پوری دنیا میں ایک حلقہ موجود ہے۔ لوگوں کو ان کی تحریرات کا انتظار رہتا ہے اور ہزاروں افراد نہ صرف یہ کہ ان کے مشن سے وابستہ ہیں‘ بلکہ کسی بھی معاملے میں انہیں جو ہدایات مولانا کی طرف سے ملتی ہیں‘ وہ دل و جان سے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے چند ایک پڑھے لکھے حضرات میں ان کا نام شمار کیا جاتا ہے‘ اور ان کی جو پذیرائی مغربی ممالک میں ہو رہی ہے‘ اس کا اندازہ کچھ انہی حضرات کو ہو سکتا ہے جو ان کے شمارے ’’الرسالہ‘‘ کے مستقل قاری ہیں۔ ان کی شخصیت —— جیسا کہ روزِ اوّل سے ہوتا چلا آیا ہے —— موضوعِ سخن رہی ہے‘ اب بھی ہے اور جب وہ دنیا میں نہیں ہوں گے‘ اس وقت بھی اپنے نقاد اور مداحوں کے درمیان گھری رہے گی۔ الرسالہ میں ان کی بعض تحریرات شہ پارہ ہیں اور ہماری نئی نسل کی رہنمائی میں ہمیشہ معاون ثابت ہوتی ہیں‘ لیکن اس تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ ان کی بعض تحریرات اہلِ ایمان و دانش کے لیے سخت خلجان کا موجب بھی بن جاتی ہیں۔ انگلی کو دانتوں میں دبائے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ جس شخص اور اس کے قلم کی صلاحیتیں اسلام کے مخالفین اور شکوک و شبہات کی جڑ کھودنے میں صرف ہو رہی ہیں‘ انہی صلاحیتوں کا رُخ پھرا اور کوئی ایسی تحریر وجود میں آ گئی‘ جو اہلِ کفر اور افواجِ باطل کے لیے ایک عمدہ ہتھیار کا کام دے سکے۔ دودھاری تلوار جب کھنچ جائے اور دشمنوں ہی کو نہیں دوستوں کو بھی اپنا دفاع کرنا پڑے‘ تو اس کاٹ کی مدح سرائی کیونکر ہو!

☆ الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ‘ اسلام آباد

ماہِ رواں‘ اکتوبر ۲۰۱۱ء کا شمارہ ’’الرسالہ‘‘ نظر نواز ہوا اور اس ماہ کا موضوع ہے ’’ختمِ نبوت‘‘۔ ختمِ نبوت جو ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ اور کفر و اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے‘ مسلمانوں میں کبھی بھی متنازعہ نہیں رہا۔ جس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا‘ اسے اور اس کے ماننے والوں کو اُمتِ مسلمہ نے کبھی بھی اپنی صفوں میں کوئی جگہ نہیں دی۔ دعوائے نبوت اس قدر ہولناک ہے کہ اس کے مدعی کے کلام کی توجیہہ و تاویل کبھی بھی قابل اعتبار و التفات نہیں ٹھہری۔ اب تک جس آخری شخص نے نہایت شدّ و مد سے دعوائے نبوت بھی کیا اور انہیں اپنے ماننے والوں کی جماعت بھی میسر آئی‘ وہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔ الرسالہ کے اس ’’ختمِ نبوت‘‘ نمبر میں‘ اس دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے‘ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اس دعوے کی نہ صرف یہ کہ نفی کرتے ہیں‘ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جناب مرزا صاحب کے دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ’’مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں ظلّی نبی ہوں‘ یعنی میں نبی کا سایہ ہوں۔ اس طرح کے قول کو ایک طرح کی دیوانگی تو کہا جا سکتا ہے‘ لیکن اس کو دعوائے نبوت نہیں کہا جا سکتا‘‘۔[۱]

اس تحریر کو پڑھ کر افسوس تو اس لیے ہوا کہ جو شخص کتاب و سُنّت کے معترضین کے تابڑ توڑ حملوں کا ترکی بہ ترکی جواب دے اور اپنی زندگی اسلام کے دفاع اور اقدام کے لیے وقف کر دے‘ اس کے قلم سے قلب و روح کے لیے ایسی خوں چکاں تحریر برآمد ہو؟ ایسی تحریر جس کو منکرینِ ختمِ نبوت بطورِ ڈھال استعمال کریں؟ اور حیرت اس لیے کہ جس شخص کی وسعتِ مطالعہ کے اپنے‘ پرائے سب قائل ہوں اور مغرب اور کسی حد تک مشرق کا لٹریچر‘ تاریخ اور مذہبی کتابیں جس کی انگلیوں کے پوروں (finger tips) پر ہوں‘ اسے وہ بات معلوم نہ ہو جو مسلمانوں کے بچے بچے کی نوکِ زبان پر ہے اور جس دعوے کو اس کے مدعی نے بار بار تحریر فرمایا ہو۔ جس دعوے پر خود ان کی اپنی جماعت دو ٹکڑوں میں بٹ چکی ہو اور جس دعوے کی بیخ کنی کے لیے اُمتِ مسلمہ اپنا گرم لہو بہا چکی ہو‘ کیا جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اسی دعوے کی اس مدعی سے نفی کرتے ہیں اور اپنی اس تحریر سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔

معروضہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہمیشہ نبوت کا دعویٰ کرتے رہے ہیں اور بالکل صاف اور واضح الفاظ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول کہتے رہے ہیں۔ ان کی

زبان اور قلم ہمیشہ اپنے سننے اور پڑھنے والوں سے یہی تقاضا کرتی رہی ہے اور اب بھی ان کی جماعت کا اصولی موقف یہ ہے کہ ان کے مقتدا اور پیشوا جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو نبی اور رسول مانا جائے۔ خود جناب مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں' نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔''

اس تحریر میں وہ صاف اور واضح الفاظ میں یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پاک وحی ان پر نہ صرف یہ کہ نازل ہوئی ہے بلکہ اس وحی کے ذریعے انہیں ایک آدھ مرتبہ نہیں' سینکڑوں مرتبہ اس شرف سے نوازا گیا ہے کہ وہ صرف نبی ہی نہیں اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں۔

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''چنانچہ وہ مکالماتِ الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں' ان میں سے ایک وحی اللہ (اللہ تعالیٰ کی وحی) ہے ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (دیکھو براہین احمدیہ' ص:۴۹۸) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کہہ کے پکارا گیا ہے۔''

اس عبارت میں بھی مرزا صاحب واضح الفاظ میں تحریر فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چند سطروں کے بعد تو انہوں نے ایسی عبارت لکھی ہے' جو کسی بھی اشتباہ یا تاویل کا موقع فراہم نہیں کرتی۔

''یہ وحی اللہ (اللہ تعالیٰ کی وحی) ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ﴾ اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔''

نہایت واضح الفاظ میں انہوں نے اپنا دعویٰ بیان کیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ''محمد'' تجویز فرمایا ہے۔[۲]

صرف اس ایک کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' ہی نہیں بلکہ ان کی متعدد کتابوں میں بار بار اس دعوے کی تکرار کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔

وہ اپنی وحی کو بھی قرآن کریم کے ہم پلّہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر۔''[۳]

وہ اپنی وحی پر جس قدر یقین رکھتے ہیں' یہ بالواسطہ طور سے دعوائے نبوت ہی تو ہے۔ انہوں نے ہمیشہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے اور اس اِدّعا میں کبھی کوئی کسر باقی نہیں رہنے دی۔ حتیٰ کہ جو

لوگ ان کی نبوت و وحی کا انکار کرتے ہیں' وہ انہیں جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس طرح کی تحدّی وہی افراد کرتے ہیں جو اپنے دعوے کو حتمی اور قطعی جانتے ہیں۔ وہ اپنے مخالفین کو ہرگز کوئی لچک دکھانے کو تیار نہیں ہیں اور فرماتے ہیں:

انّ العدا صاروا خنازیر الفلا　　ونساء هم من دونهن الاکلب

دشمنا ن ما خنزیر هائے بیابان شده اند و زنان آنها سگ ماده هارا درپس انداخته اند

دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔[۴]

یہ عربی شعر بھی انہی کا ہے اور پھر اس کے فارسی و اُردو تراجم بھی خود اُنہی کے ہیں۔ اب اس سے زیادہ صاف' صریح اور واضح الفاظ' وہ کون سے ہیں جن کے ذریعے وہ دعوائے نبوت کریں؟

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب سے درخواست ہے کہ اگر اب تک انہوں نے احمدی حضرات کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا تو اُن کی کتاب ''روحانی خزائن'' کو غور سے پڑھیں اور کسی بھی شخص یا فریق کی بات سنے' ان کا لٹریچر پڑھے اور ان کے متعلق کسی بھی ٹھوس ثبوت کے بغیر کوئی حکم لگانا' بعید از انصاف ہے۔ ان کی جماعت کے کسی بھی ذمہ دار فرد سے اگر ان کا مسلک دریافت کیا جائے تو وہ مرزا صاحب کی نبوت و رسالت کا ہی اقرار کرتے نظر آئیں گے۔

جناب وحید الدین خان صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اپنی تحریر کو واپس لیں اور اپنے موقف سے رجوع کریں۔ پوری اُمتِ مسلمہ کے مقابلے میں وہ فردِ واحد اور تنہا ہیں جنہوں نے یہ چونکا دینے والا دعویٰ کیا ہے اور یا پھر یوں کہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کی تاویل کی ہے۔ اس طرح کی تحریر ان کی دیگر تحریرات کے مطالعے میں' خود ان کے دوستوں کے لیے بھی سدِّراہ ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ تمام تحریر بھی اس صورت کے لیے ہے کہ یہ فرض کر لیا گیا کہ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی نظر سے مرزا صاحب کی ایسی تحریرات اور کتابیں نہیں گزریں۔ لیکن اگر وہ ان کی کتابوں کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں تو پھر وہی مثل صادق آتی ہے کہ ہم سوئے ہوئے کو تو بیدار کر سکتے ہیں' اس کو نہیں جو سویا بن رہا ہے۔

یہ موقف کہ جناب مرزا صاحب نے دعوائے نبوت کیا ہی نہ تھا' بیان اور تحریر کرتے ہوئے اس واقعے کو بھی نہ بھلانا چاہیے جو خود ہمارے شہر راولپنڈی میں ۱۹۳۷ء میں پیش آیا تھا۔ ہمارے نانا مرحوم اس مناظرے کے چشم دید گواہ تھے۔ وہ اس مناظرے کی داستان بھی

سنایا کرتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل دن کو تحریر کر کے رات کو سنایا کرتے تھے۔ یہ مناظرہ ماسٹر دیوان چند صاحب کے ہال میں منعقد ہوا تھا اور اس میں مولوی ابوالعطاء صاحب نے قادیانی حضرات کی طرف سے اور مولوی اختر حسین گیلانی صاحب نے لاہوری حضرات کی طرف سے دلائل دیے تھے۔ دیگر مسائل کے علاوہ ایک مسئلہ جو بہت زور و شور سے زیر بحث آیا ''مسئلہ نبوت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی'' بھی تھا۔ احمدیت کے دونوں گروہوں (لاہوری اور قادیانی) سے بُعد اور ان کا اُمتِ مسلمہ سے الگ ہونا' یہ حقائق بچپن ہی سے انہوں نے ذہن نشین کرا دیے تھے۔ بعد ازاں اس مناظرے کی تفصیلات کا جب خود مطالعہ کیا تو کتابوں سے بھی ان کے بیان شدہ واقعات کی تصدیق ہوتی رہی۔ مطالعے نے ان کے بیان کردہ حقائق کے علم میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا۔(۵)

مناظرے کا قصہ مختصراً یہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کا ایک گروہ تو وہ تھا جن کا تعلق لاہور شہر سے تھا اور وہ اسی نسبت سے لاہوری مرزائی کہلاتے تھے اور ہیں' اور دوسرے گروہ کا تعلق قادیان سے تھا اور وہ قادیانی مرزائی کہلاتے تھے' اور اب تک ان دونوں گروہوں کو اسی نسبت سے پکارا جاتا ہے۔ لاہوری گروہ کا بھی کچھ وضاحت کے ساتھ تقریباً یہی دعویٰ تھا جو آج مولانا وحید الدین خان صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ جناب مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور ان کے دعوائے نبوت کے الفاظ کی یہ تاویل کرتے تھے کہ وہ اپنی صدی کے مجدّد تھے۔ جب کہ دوسرے گروہ کا عقیدہ' عقیدۂ نبوت و رسالت تھا۔ مناظرے میں دونوں طرف سے عبارات پیش کی گئیں' لیکن دوسرا گروہ غالب آیا اور ان کی فتح اسی بات پر ہوئی کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے نبوت اور رسالت ہی کا دعویٰ کیا تھا۔ اس لیے اس بحث کا کھوج لگانے کو ''مباحثہ راولپنڈی'' کو بھی خاص طور پر زیر مطالعہ رکھنا چاہیے۔

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی بھی دعوائے نبوت نہیں کیا تھا' جناب مولانا وحید الدین خان صاحب نے ایک سکھ گرو گر بچن سنگھ (وفات: ۱۹۸۰) کی مثال دی ہے کہ وہ ان سے ملے' کیونکہ ان کے کچھ معتقدین انہیں وقت کا پیغمبر (Prophet of the time) کہتے تھے' لیکن گر بچن سنگھ نے خود کبھی اپنی زبان سے دعوائے نبوت نہیں کیا تھا۔

پھر اپنے دعویٰ کی تائید میں جناب مولانا وحید الدین خان صاحب مزید ایک ہندو گرو برہما شری کرونا کرا کی مثال پیش کرتے ہیں کہ جب ان سے سوال کیا کہ

Do you claim that you are a prophert of God in the same

sense in which Moses,and Jesus,and Muhammad claimed they were prophets of God.

''کیا آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس معنی میں (سیدنا) موسیٰ' (سیدنا) عیسیٰ اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہم اجمعین) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے' میں بھی اسی طرح خدا کا پیغمبر ہوں؟''

تو انہوں نے جواب دیا:

No , I don't make any such claim.

''نہیں میں نے کبھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔''

پھر ان دو مثالوں کے بعد وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

''جس طرح خدا کے سوا کوئی اور شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خدائے رب العالمین ہوں' اسی طرح کوئی شخص یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر (Prophet of God) ہوں۔'' (۶)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب سے گزارش یہ کرنی ہے کہ اس تمام کتھا کو مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت و رسالت سے واسطہ کیا ہے؟ ایک سکھ اور ایک ہندو گرو نے دعوائے نبوت سے انکار کر دیا' بالکل درست ہے اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غلام احمد قادیانی نے دعوائے نبوت کیا ہے۔ اس کے تاریخی' ناقابل تردید ثبوت' انہی کی کتابوں سے پیش کر دیے گئے ہیں۔ تو دونوں باتیں حقیقت پر مشتمل ہیں' یہ دونوں حقائق ایک دوسرے کی نفی تو نہیں کر رہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سکندر بادشاہ تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لاہور ایک قدیم شہر ہے۔ دونوں حقائق کا اپنا اپنا مقام ہے' ایک حقیقت دوسری حقیقت کی کاٹ تو نہیں کر رہی۔

دوسرے اس بات پر بھی غور فرما لینا چاہیے کہ اگر یہ دونوں گرو دعوائے نبوت کر بھی لیتے تو کیا فرق پڑتا؟ ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ان کے دعوے کی حیثیت اور بنتی ہے اور وہ شخص جو مسلمان ہو (جیسے کہ مرزا صاحب ابتداءً مسلمان ہی تھے) اور پھر دعوائے نبوت کر کے مرتد ہو جائے اور پھر ارتداد کے باوجود وہ خود اور اس کو نبی و رسول ماننے والے حضرات و خواتین اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے اور مسلمان ہونے پر اصرار کریں' ان کی حیثیت کچھ اور بنتی ہے۔ ایمان کسی شخص کے قبول کرنے کے اعتبار سے اجزاء پر مبنی نہیں ہے کہ کوئی شخص پچاس فیصد ایمان قبول کرے تو آدھے عقائد (۵۰ فیصد) کو ماننے کی وجہ سے مسلمان کہلائے اور کوئی نوّے

(۹۰) فیصد ایمانیات کو قبول کرے تو وہ مؤمن ہو۔

مسلمان ہونے کے لیے تو بیک وقت پورے ایمان کو قبول کرنا اور مرتد ہونے کے لیے اُن قطعی عقائد میں سے کسی ایک عقیدے کا انکار بھی کافی ہے' والعیاذ باللہ۔

اس لیے یہ دو گروؤں کی مثال آپ کے موقف کی تائید نہیں کرتی۔ ان کے عقائد میں بیسیوں کفر شامل ہیں۔ بالفرض وہ نبوت کا دعویٰ کر بھی دیتے تو کیا ہوتا؟ اور جب انہوں نے نہیں کیا تو کیا وہ مسلمان ہو گئے؟ ان کے لیے صرف ختم نبوت پر ایمان لانا ہی ضروری نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ایمانیات کے ہر ہر جزو پر ایمان لانا ضروری تھا' جب کہ مرزا صاحب تو اصلاً مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے دعوائے نبوت کے لیے جو مدارج طے کرنے کا دعویٰ فرمایا یا اپنے اس دعوے کا سفر کیسے طے کیا' ان کی منازل اور پڑاؤ کیا تھے' اس کی تفصیل بھی آتی ہے۔

آمدم بر سر مطلب کہ گروؤں نے دعوائے نبوت کیا یا نہیں کیا' جناب مرزا غلام احمد قادیانی نے بہت دھڑلے سے دعوائے نبوت کیا۔ اور جناب مولانا وحید الدین خان صاحب نے دو گروؤں کی مثال دے کر جو مرزا صاحب کے دعوائے نبوت کے جرم میں تخفیف اور ان کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے' یہ بالکل درست نہیں ہے۔ دونوں معاملات (cases) الگ الگ ہیں۔ تقریبِ تفہیم کے لیے فقہ کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے تاکہ ناواقف لوگ اور خود جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کے قارئین اس فرق کو جان سکیں کہ شرعی مسائل میں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں' حتیٰ کہ غیر مسلم جو نبوت کے قائل نہ ہوں اور وہ غیر مسلم جو اہل کتاب ہوں' ہر ایک کے درمیان شریعت نے فرق کیا' ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھا ہے اور ہر ایک سے عدل کیا گیا ہے۔ مثال یہ ہے کہ کسی مسلمان شخص کی مسلمان بیوی اپنی عادت کے مطابق ایام سے فارغ ہو گئی تو شوہر سے اس کی قربت صحیح معنی میں اس وقت جائز ہو گی جب وہ عورت یا تو غسل کرے اور یا پھر اس پر کم سے کم ایک نماز کا وقت گزر جائے۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوئیں تو شوہر سے قربت اگرچہ جائز ہو' لیکن کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں۔ اور یہی صورت اگر کسی اہلِ کتاب عورت (کتابیہ) کے ساتھ پیش آ جائے تو اس کی عادت کے مطابق جب اس کے ایام پورے ہو گئے تو شوہر کی اس سے قربت فوری طور پر جائز ہو جائے گی' کیونکہ نہ تو اس عورت کے لیے غسل کا حکم ہے اور نہ ہی نماز کا۔ وہ جب مسلمان ہی نہیں تو اسلام اسے اپنی فروعات کا پابند نہیں کرتا۔

یہ تو ایک فروعی مثال ہے جب کہ ختمِ نبوت کا عقیدہ قطعی عقائد میں سے ہے۔ اسلام ان

دونوں گروؤں سے مکمل مسلمان ہونے کا مطالبہ کرتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ صرف ختم نبوت کے عقیدے پر قائم رہیں تو ان کا یہ عقیدہ قابل قبول ہے۔ اور اسلام مرزا غلام احمد قادیانی سے عمر بھر یہ مطالبہ کرتا تھا کہ وہ اپنے دعوائے نبوت سے دستبردار ہو کر توبہ کریں' اور اگر ان کے بقیہ عقائد درست ہیں تو پھر وہ مسلمان ہیں۔ اور اب بھی ہمارا مطالبہ ان کے ماننے والے دونوں گروہوں' لاہوریوں اور قادیانیوں سے یہی ہے کہ وہ مرزا صاحب کو مرتد مان کر ان کے دعوائے نبوت کی تکذیب کریں اور حضرت رسالت مآب ﷺ کو خاتم النبیین ﷺ مانیں اور اس عقیدۂ ختم نبوت کی وجہ سے نزولِ مسیح علیہ السلام وغیرہ دیگر ضروریاتِ عقائدِ دین واسلام کا اقرار کریں۔

قادیانی یا لاہوری حضرات کے مسلمان ہونے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کی تکذیب کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک کسی بھی غیر مسلم کے مسلمان ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ جس دین کو چھوڑ کر مسلمان ہو رہا ہے' اس دین سے بیزاری کا اظہار بھی کرے۔ چنانچہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کوئی غیر مسلم کیسے مسلمان ہو؟ تو انہوں نے فرمایا: وہ پہلے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول ہیں' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی میں آیا ہے اسے ماننے کا اقرار کرے' اور جس دین کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو رہا ہے' اس دین سے بیزاری کا اظہار کرے۔ (۷)

اس سلسلے میں علامہ شامی قدس اللہ سرہ السامی نے جو بحث کی ہے۔ اسے بھی ملاحظہ فرمانا چاہیے۔ (۸)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کا یہ فرمانا کہ ''مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی بھی اپنی زبان سے نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں'' سے ان کی مراد کیا ہے؟ اگر وہ اپنے جملے کو لغت کے اعتبار سے فرماتے ہیں تو یہ بالکل درست ہے۔ دنیا میں شاید اس وقت کوئی ایک بھی ذی روح نہ ہو' جس کے سامنے جناب مرزا صاحب نے یہ بات کہی ہو اور نہ ہی اس وقت ٹیپ ریکارڈر ہوا کرتے تھے کہ کوئی ان کی آواز کو منضبط کر لیتا اور آج لوگوں کو سناتا۔ آج کے کسی مسلمان نے براہِ راست ان سے یہ دعویٰ نہیں سنا' کیونکہ وہ ۱۹۰۸ء میں دنیا چھوڑ گئے اور اب کوئی شخص مرد و عورت ایسا نہیں جس کی عمر کم سے کم ایک سو بیس برس ہو اور پھر وہ جناب مرزا صاحب سے ملا بھی ہو اور اس نے یہ دعویٰ سنا بھی ہو۔ اور اگر اس جملے سے جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی مراد یہ ہے (اور یہی بات ایک عام قاری کو سمجھ میں آتی ہے) کہ جناب

مرزا صاحب نے کبھی بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا' تو معروضہ یہ ہے کہ ان کی اپنی ہی تحریر شدہ کتابیں اس دعوے سے اٹی پڑی ہیں۔ آپ آج سوا سو سال کے بعد کیسے ان سے اس دعوے کی نفی کر سکتے ہیں؟ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ہر انسان کی زبان سے زیادہ اس کی تحریر قابل اطمینان ہوتی ہے۔ معصومین ومحفوظین کی بات تو الگ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ میں ہوتے ہیں' وگرنہ تو ہر آدمی کی تحریر اس کی زبان سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ سو بالفرض اگر مرزا صاحب کی زبان سے کسی شخص کے کانوں نے یہ دعویٰ نہ بھی سنا ہو' تو کیا ان کی کتابیں اس بلند بانگ دعوے اور اثباتِ مدعا کے لیے کافی نہیں ہیں؟ جناب مرزا صاحب ایک عام مسلمان اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے کیسے مشہور ہوئے اور پھر انہوں نے کیسے دعوائے تجدید' مہدی' مسیح موعود اور بالآخر نبی ورسول ہونے کا اظہار کیا' حسب وعدہ' یہ کتھا اور قصہ یوں ہے۔

جناب مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں قادیان ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے [9] اور تعلیم سے فارغ ہوکر اسلام کے دفاع میں عیسائیوں اور ہندو آریوں سے مناظرے شروع کیے۔ یہ وہ دور تھا جب پورا ہندوستان عیسائی مشنریوں' آریہ سماج اور برہمو سماج کی زد میں تھا۔ عیسائی پادری حضرت رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر کھلے بندوں اعتراض کرتے تھے۔ آریہ نے ہر جگہ قرآن کریم کو مشکوک کتاب باور کرانے کے لیے اپنی تحریک کے مراکز قائم کر رکھے تھے اور برہمو سماج والے تو سرے سے وحی الٰہی کے منکر اور محض اپنی عقل کو رہنما مان کر' زندگی گزارنے پر زور دے رہے تھے۔ ان حالات میں جناب مرزا صاحب نے ۱۸۸۰ء میں اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کا پہلا اور دوسرا حصہ شائع کروایا اور اس میں ان گمراہ فرقوں کی تردید کی۔ مسلمانوں نے ان حالات میں جب اس کتاب کو پڑھا تو جناب مرزا صاحب کی تعریف کی۔ وہ مبلغ اسلام کی حیثیت سے اُبھرے اور لوگوں نے انہیں اچھا جانا' یہاں تک کہ اہلحدیث حضرات کے رہنما جناب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ علماء کرام نے بھی انہیں مبلّغِ اسلام کے طور پر قابل ستائش جانا اور ان کی کتاب اور شخصیت کو بہت پذیرائی ملی۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اب آہستہ آہستہ اُبھرنا شروع کیا اور مبلغ اسلام کے لقب اور شہرت سے فائدہ اُٹھا کر یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' میں ایڈیٹر رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' کے متعلق وہ بتاتے ہیں کہ یہ ایڈیٹر شیخ محمد حسین بٹالوی اور وہ بچپن میں دونوں ایک ہی جماعت میں پڑھتے رہے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب اپنی

ابتدائی عمر میں کس طرح کے آدمی تھے۔ پھر جب ان کی عمر ۴۰ برس ہوئی تو یہ دعویٰ فرمایا:

''خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرّف کیا۔'' [10]

یہ ہے جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ الہام کرتا ہے' یعنی وہ **مُلْهَمٌ مِنَ اللّٰہ** ہیں۔

سیدھے سادے اور بھولے بھالے مسلمانوں نے ان کے اس دعوے کو قبول کر لیا۔ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب ملاحظہ فرمالیں کہ پھر وہ مختلف اوقات میں کیسے کیسے دعاوی کرتے رہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اپنے دور اور اس صدی کے مجدد ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

''آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر ایک مجدد کا آنا ضروری ہے۔ اب ہمارے علماء' جو بظاہر اتّباع حدیث کا دم بھرتے ہیں' انصاف سے بتلاویں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدا تعالیٰ سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشا ہے کہ وہ مجدد خدائے تعالیٰ کی طرف سے آئے گا یعنی علومِ لدنیہ وآیاتِ سماویہ کے ساتھ۔ اب بتلاویں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر کون آیا ہے جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدّد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا۔'' [11]

مرزا صاحب نے ''نبوت'' کے اجزاء کرتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ کے جو خاص بندے' اولیاء کرام' ہوتے ہیں ان پر بھی وحی آیا کرتی ہے۔ اور اس وحی کی وجہ سے جو ولی اللہ نبوّت کا کوئی حصہ پالیتا ہے' وہ محدث کہلاتا ہے اور اس طرح سے کوئی بھی محدث نبی ہوتا ہے اور ہر نبی محدّث ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کی طرف سے بار بار ایسی وحی ان پر آتی ہے اور وہ محدّث ہیں' اور پھر یہ معنی کر کے وہ نبی بھی ہیں۔ [12]

اُمّتِ مسلمہ کا مسلّمہ عقیدہ قرنِ اوّل سے اب تک یہی چلا آ رہا ہے کہ قیامت کے قریبی زمانہ میں حضرت مہدی ؓ اس اُمت میں تشریف لائیں گے اور پھر ان کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور ورودِ مسعود ہوگا جو اپنے دور میں زندہ آسمانوں کی طرف اُٹھا لیے گئے تھے۔ سیدنا مہدی ؓ ایک علیحدہ شخصیت ہیں اور سیدنا مسیح علیہ السلام ایک الگ ہستی ہیں جن کے آنے کی پیشین گوئی اور وعدہ کیا گیا ہے' اس لیے وہ مسیح موعود بھی کہے جاتے ہیں۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ تو دعویٰ کر ہی دیا تھا کہ ان پر کثرت سے وحی آتی

ہے اور وہ محدث نبی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کا تو طبعی طور پر انتقال ہو چکا ہے' اور جیسے ان سے پہلے رسولوں کو' جو کہ ان کے بھائی تھے' وفات دی گئی تھی بالکل ایسے ہی حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کو بھی وفات دی جا چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بشارت اور خوش خبری دی ہے کہ لوگ جس عیسیٰ کا انتظار کر رہے ہیں' وہ تم ہی تو ہو اور لوگ جس مبارک ہستی حضرت مہدی کا انتظار کر رہے ہیں' وہ مہدی بھی تم ہی تو ہو۔ (۱۳)

یوں مرزا صاحب نے مہدی اور مسیح دونوں کو ایک ہی شخصیت قرار دے کر اپنے آپ کو ان مناصب رفیعہ پر بھی فائز کر دیا۔

انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ جیسے حضرت سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی زندگی بہت زاہدانہ اور عاجزانہ تھی اور وہ دنیا سے لاتعلق رہا کرتے تھے' مرزا صاحب کی زندگی بھی ویسی ہی درویشانہ صفت ہے' اس لیے وہ زندہ سلامت حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک مثال اور انہی کی ایک تشبیہ ہیں' اور اپنے اس دعوے میں انہوں نے اپنے آپ کو ''مثیلِ مسیح'' قرار دیا۔ چنانچہ تحریر فرمایا:

علمائے ہند کی خدمت میں نیاز نامہ

اے برادران دین وعلمائے شرع متین! آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہو کر سُنیں کہ اس عاجز نے جو مثیلِ موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں' یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سنا گیا ہو' بلکہ یہ پرانا الہام ہے جو میں نے خدائے تعالیٰ سے پا کر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بتصریح درج کر دیا تھا' جس کے شائع کرنے پر سات سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزر گیا ہو گا۔ میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں' جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے' بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیلِ مسیح ہوں' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ کے خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں' اور دوسرے کئی امور میں جن کی تصریح انہی رسالوں میں کر چکا ہوں' میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اشد مشابہت ہے' اور یہ بھی میری طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے ان رسالوں میں اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے' کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین احمدیہ میں بتصریح لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیل موعود

ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہو چکی ہے۔ (۱۴)

انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں بے پناہ برکتیں دینے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈالنے کا وعدہ کیا ہے اور پھر اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے:

''جعلناك المسيح ابن مريم ہم نے تمہیں مسیح بن مریم بنا دیا ہے۔'' (۱۵)

عربی زبان میں بَرَزَ کا لفظ' ظہور اور کسی چیز یا کام یا صلاحیت کے ظاہر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن' زمین کا کیا حال ہو گا؟ اس سلسلے میں فرمایا ہے:

﴿وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ (الكهف:٤٧)

''اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی ہے۔''

یعنی تا حدّ نظر کوئی نشیب وفراز نہیں ہو گا اور زمین بالکل صاف' ظاہر میں نظر آ رہی ہو گی۔

حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا بہت عقلمند اور نہایت پاکیزہ کردار کی صحابیہ تھیں۔ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے وہ ایسے پردہ نہیں کرتی تھیں جیسے کہ مدینہ منورہ میں جوان لڑکیاں پردہ کیا کرتی تھیں۔ وہ مردوں میں بیٹھ کر ان سے باتیں بھی کر لیتی تھیں۔ اس لیے ان کی روایت کردہ احادیث میں ان کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں:

اِنَّهَا كَانَتْ اِمْرَأَةً بَرْزَةً

''وہ ایسی خاتون تھیں جو پردے میں نہ ہونے کی وجہ سے بہت نمایاں رہتی تھیں۔'' (۱۶)

اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے امرأۃ برزۃ یعنی وہ عورت جو نمایاں ہو اور عام لوگوں کے ساتھ رہتی اور دنیوی معاملات میں حصہ لیتی ہو' گواہیوں کے معاملے میں اس کی شہادت کو قبول کیا ہے۔ (۱۷)

یہ لفظ اردو زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ؎

از غایتِ ظہور نہاں ہے نہ آشکار
وز شدتِ بروز خفی ہے نہ آشکار

ہندوؤں کے عقیدے میں بھی یہ ''بروز'' شامل ہے۔ ان کے مذہب میں یہ بات ہے کہ ان کے دیوتا آسمان سے اُترے اور مختلف انسانوں کے روپ دھار کر انہوں نے بروز کیا' یعنی ظہور یا ظاہر ہوئے۔ وہ ظاہر میں انسان لیکن درحقیقت خدا تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ہندوؤں کے اس نظریے کو ایک اور رنگ میں پیش کیا اور وہ

یہ کہ ہندو تو خداؤں کے بروز کے قائل تھے‘ مرزا صاحب نے نبوت کو بروزی بنا دیا کہ ان کے اندر تو حضرت رسالت مآب ﷺ سمائے ہوئے تھے اور ظاہر میں جسم ان کا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی ایک کتاب ’’ایک غلطی کا ازالہ‘‘ میں واضح طور پر تحریر فرماتے ہیں:

’’بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔‘‘

یعنی آقائے نامدار حضرت رسالت مآب ﷺ میرے اندر سما گئے ہیں۔ میں ظاہر میں تو مرزا غلام احمد ہوں لیکن اندر سے محمد رسول اللہ ﷺ ہوں۔ اعاذنا اللہ!

پھر اپنی اسی کتاب میں چند سطروں کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں:

’’میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں۔‘‘(۱۸)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اور ان کی تحریرات سے متاثر ہونے والے حضرات وخواتین کو اس نکتے اور عبارات پر غور فرمانا چاہیے کہ جناب مرزا صاحب کہہ کیا رہے ہیں‘ وہ تو یہ بتا رہے ہیں کہ میں اندر سے تو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ ہوں اور ظاہر میں مرزا غلام احمد ہوں۔ ایسے عقائد تو ان قوموں کے ہوا کرتے تھے جو اپنے دیوتاؤں کو خدا مانتے تھے اور ہیں‘ اسلام نے بھی کبھی کوئی ایسی تعلیم دی ہے؟

کل کو یا زمانۂ ماضی میں اگر کوئی جاہل اور گمراہ صوفی یہ دعویٰ کرے کہ وہ بروزی طور پر خدا ہے‘ تو کیا وہ مسلمان رہ جائے گا؟ وہ دنیا کو اس عقیدے کی دعوت دے کہ میں بروزی اللہ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے اندر سما گیا ہے اور میں فقط ظاہر میں انسان ہوں‘ حقیقت میں تمہارا پروردگار ہوں‘ کیا یہ دعویٰ مسموع ہوگا؟ اس لیے جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کن کا دفاع فرما رہے ہیں؟ چاہیے کہ غور فرمالیں‘ اور جو لوگ دین میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں‘ کہیں ان کی راہ کھوٹی نہ ہو جائے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ ظلّی نبی ہیں۔ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب تحریر فرما رہے ہیں کہ:

’’انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں ظِلّ نبی ہوں یعنی میں نبی کا سایہ ہوں‘‘۔(۱۹)

بات یوں نہیں ہے۔ جناب مرزا صاحب نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ حضرت رسالت مآب علیہ الصلاۃ والتسلیم کا سایہ (ظل) ہیں‘ بلکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ فرمایا کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کو حضرت صاحب الرسالۃ محمد رسول اللہ ﷺ سے وہی نسبت ہے جو کہ سایے کو اصل سے ہوتی ہے۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے کہ وہ محض نبی ﷺ کا سایہ ہیں تو پھر بھی اہل علم ان کے اس

دعوے پر غور کر لیتے‘ انہوں نے تو صاف صاف یہ دعویٰ کیا کہ ان کی نبوت‘ نبوتِ محمدیؐ سے سایے اور اصل کی نسبت رکھتی ہے۔

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی تحریر کے مطابق تو ان کا اصل دعویٰ محض اصل اور سایے (ظِلّ) کے زمرے میں آتا ہے‘ لیکن درحقیقت ان کا دعویٰ اپنی چھوٹی نبوت اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی بڑی نبوت کا ہے کہ میں جو کم درجے کی چھوٹی نبوت رکھتا ہوں اس کے مقابلے میں ایک بڑی نبوت بھی ہے وہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی ہے۔ وہ تو بہت صاف‘ واضح اور بغیر کسی جھجک کے یہ دعویٰ فرماتے ہیں:

’’میں ظلّی طور پر محمد ہوں۔‘‘(۲۰)

اور پھر انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دعویٰ کر دیا‘ ایسا دعویٰ کہ جو ان کے اس دعوے کو نہیں مانتے اور اس کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ افراد جو جناب مرزا صاحب کو ان کے دعوے میں سچا مانتے ہیں‘ دونوں کے درمیان مسلم اور غیر مسلم کی لکیر کھنچ گئی۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں یہ دعویٰ کیا:

’’سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔‘‘(۲۱)

پھر اس سیدھے سادے نثری دعوے کے بعد اپنی شاعری کے ذریعے بھی انہوں نے پوری دنیا کو اس دعوے کا پیغام دیا۔ ؎

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

’’میں اس دور میں مسیح ہوں اور میں ہی وہ موسیٰ ہوں جس سے خدا نے کلام کیا تھا اور میں ہی وہ محمد ہوں جسے خدا نے چنا۔‘‘(۲۲)

ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو:

’’غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔‘‘(۲۳)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ انہوں نے اپنے پرچے ’’الرسالہ‘‘ میں جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی وکالت اور ان کے جرم کو جو کم

کرنے کی کوشش کی ہے' تو کیا یہ دعاوی اور عبارات ان کی نظر سے نہیں گزریں؟ اگر نہیں تو یہ تو بہت ہی نامناسب بات ہے کہ وہ جس کی وکالت فرماتے ہیں' وہی ان کے دعوے کی تردید کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کی عبارتیں ایک سے بڑھ کر ایک دعوائے نبوت و رسالت کی ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہی نہیں۔ بغیر مطالعہ کیے عقیدۂ ختم نبوت جیسے حساس اور بنیادی عقیدے پر اس طرح کا تبصرہ کیسے مناسب ہے؟ اور اگر ان کی نظر سے یہ تمام کتابیں اور جناب مرزا صاحب کے دعوے گزر چکے ہیں' تو پھر کیا اسے تجاہلِ عارفانہ سمجھا جائے؟

آخر میں گزارش یہ ہے کہ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اور اگر کوئی ان کی اس تحریر سے متاثر ہو گیا ہے' تو وہ' ان سب کو چاہیے کہ اپنے الفاظ' تحریر اور عقیدے سے رجوع فرمائیں۔ اس مسئلے کی سنگینی کا احساس کرنا چاہیے اور اس نزاکت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ان کی اس تحریر کی بنیاد پر کوئی نیا فرقہ نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اُمت کی حفاظت فرمائے' پہلے ہی بہت ٹکڑے اور فرقے بن چکے ہیں' اب کہیں کوئی نیا فرقہ یا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔

حضرت رسالت مآب ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول تھے' صلوات اللہ علیہ وسلامہ۔ ان کے بعد جس کسی نے بھی' کسی زمانے میں بھی دعوائے نبوت کیا' وہ اپنے دعوے میں سچا نہ تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بار بار نبوت کا دعویٰ کیا اور پوری اُمتِ مسلمہ نے ان کے دعوے کی تکذیب کی۔

عقیدۂ ختم نبوت' جیسے کہ کتاب و سنت اور پھر علماء و مجتہدین اُمت نے وضاحت کے ساتھ اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے' وہی عقیدۂ آخرت میں نجات کی ضمانت ہے۔ ہم اہل السنۃ والجماعۃ اسی عقیدۂ ختم نبوت پر قائم' اس کے محافظ اور پرچارک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی صحیح عقیدے پر خاتمہ فرمائے اور اسی عقیدے کے ساتھ قیامت میں اپنے صالح بندوں کے ساتھ محشور فرمائے۔ آمین!

حواشی

(۱) ماہنامہ الرسالہ' اکتوبر ۲۰۱۱ء' ص ۱۳۔

(۲) پناہ بخدا۔ ان تمام عبارات کے لیے ملاحظہ ہو:

(ا) روحانی خزائن' جلد: ۱۸' ص ۲۰۶۔۲۰۷۔ (ب) ایک غلطی کا ازالہ' ص ۲۔۳

(۳) (ا) روحانی خزائن' ج ۱۷' ص ۴۵۴۔

(ب) اربعین لا تمام الحجة علی المخالفین نمبر ۴' ص ۱۱۲۔

(۴) (ا) روحانی خزائن' ج ۱۴' ص ۵۳ (ب) نجم الہدیٰ' ص ۱۰۔

(۵) اس مباحثے کی تفصیلات جاننے کے لیے ملاحظہ ہو:

(ا) مباحثہ راولپنڈی۔ اس عظیم الشان مناظرے کی تمام تفصیلات شائع شدہ ہیں اور اس کی اوّلین اشاعت پر قادیانیوں کی دونوں جماعتوں (لاہوری اور قادیانی) نے مشترک خرچ برداشت کیا تھا۔

(ب) تاریخ احمدیت' از ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۹ء چوتھا باب' فصل ششم' جلد ۷' ص ۵۳۳۔

(۶) ماہنامہ الرسالہ' اکتوبر ۲۰۱۱ء' ص ۱۳۔۱۴۔

(۷) فقال يقول أشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله ويقر بما جاء من عندالله ويتبرأ من الذي انتحله كذا فى البحر عن شرح الطحاوى وصرح فى العناية بأن التبرى بعد الاتيان بالشهادتين.(حاشيه درر الحكام شرح غرر الأحكام'كتاب الجهاد'باب المرتد'ج:۱'ص:۳۰۱.)

(۸) حاشية ابن عابدين 'كتاب الجهاد 'باب المرتد'ج:۱۳ ص:۱۹'المقوله :۲۰۲۹۵.

(۹) (ا) روحانی خزائن' ج ۱۳' ص ۱۷۷۔ (ب) کتاب البریہ' ص ۱۵۹۔

(۱۰) (ا) روحانی خزائن' ج ۱۵' ص ۲۸۳۔ (ب) تریاق القلوب' ص ۱۵۵۔

(۱۱) (ا) روحانی خزائن' ج ۳' ص ۱۷۹۔۱۷۸ (ب) ازالہ اوہام' ص ۱۵۴۔

(۱۲) فاعلم ارشدك الله تعالٰی ان النبی محدث والمحدث نبی...... الخ' والوحی الذی ينزل علی خواص الاولیا والنورالذی يتجلّٰی علٰی قلوب قوم موجع

(ا) روحانی خزائن' ج ۳' ص ۶۰۔ (ب) توضیح مرام' مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا' ص ۱۹۔

(۱۳) وبشرنی وقال ان المسيح الموعود الذی يرقبونه والمهدی المسعود الذی ينتظرونه هو انت نفعل ما نشاء فلا تكونن من الممترين.

(ا) روحانی خزائن' ج ۸' ص ۲۷۵۔

(ب) اتمام الحجة علی الذی لج و زاغ عن المحجة' ص ۳۔

(۱۴) (ا) روحانی خزائن' ج ۳' ص ۱۹۲ ۔ (ب) ازالہ اوہام' حصہ اوّل' ص ۱۹۰۔۱۹۱۔

(۱۵) (ا) روحانی خزائن' ج ۳' ص ۴۴۲۔ (ب) ازالہ اوہام' حصہ دوم' ص ۶۳۴۔

(۱۶) قوله عزوجل:﴿بَرَزُوْا﴾ أي : ظهروا.وهذه المادة(برز)تدل على أصل واحد هوالظهور سواءٌ كان حسياً أم معنوياً .فيقال : برزالشي ء أي : ظهر 'فهو بارزٌ...... إلخ'وقال عز من قائل :﴿وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ

اَحَدًا﴿۴۷﴾ (الكهف) بارزةً أي : ظاهرة بادية ‘ليس فيها مستظل ولا متفيأ‘وليس فيها بناءٌ ولا معلم‘ولا مكان يواري أحداً ‘بل الخلق كلهم ظاهرون بادون لربهم لا تخفىٰ عليه منهم خافية ‘وذلك يوم القيامة ‘جعلنا اللّٰه فيه من الناجين......الخ‘ وفي حديث أم معبد رضى اللّٰه عنها: أنها كانت امرأة برزة‘ يقال : امرأة برزة أي: كهلة لا تحتجب احتجاب الشواب‘ وهي مع ذلك عفيفة عاقلة ‘ تجلس للناس وتحدثهم. (من أسرار اللغة العربية في الكتاب والسنة‘[ب ر ز] ج:۱‘ص:۱۳۷۔۱۳۸)۔

(۱۷) ويقبل تعديل المرأة لزوجها وغيرها اذا كانت امرأة برزة تخالط الناس وتعاملهم كذافى محيط السرخسى.(الفتاوىٰ الهندية‘ كتاب الشهادات‘ الباب الثانى عشر فى الجرح والتعديل‘ج:۳‘ص:۵۲۸)

(۱۸) (ا) روحانی خزائن‘ ج۱۸‘ص۲۱۲ (ب) ایک غلطی کا ازالہ‘ص۸۔

(۱۹) الرسالہ‘بابت ماہ اکتوبر۲۰۱۱ء خصوصی نمبر ختم نبوت‘ص۱۳۔

(۲۰) (ا) روحانی خزائن‘ ج۱۸‘ص۲۱۲ (ب) ایک غلطی کا ازالہ‘ص۸۔

(۲۱) (ا) روحانی خزائن ج۱۸‘ص۲۳۱۔(ب) دافع البلاء و معیار اھل الاصطفاء‘ص۱۵۔

(۲۲) (ا) روحانی خزائن‘ ج۱۵‘ص۱۳۴۔ (ب) تریاق القلوب‘ص۶۔

(۲۳) (ا) روحانی خزائن‘ ج۲۲‘ص۴۰۶‘۴۰۷ (ب) حقیقة الوحی ‘ص ۳۹۱۔

❁ ❁ ❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص:40روپے اشاعت عام:15روپے

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص:45روپے اشاعت عام:25روپے

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص:45روپے اشاعت عام:25روپے

مسلمان بمقابلہ گزشتہ اقوام
اور ــــــ فریادِ انسان

سید اویس ہاشمی

میں انسان ہوں...... مجھے ہر دور میں اللہ نے پیدائشی طور پر مسلمان پیدا کیا ہے۔ لیکن کبھی تو میں نے اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے خود کو مسلمان بنایا اور کبھی اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے خود کو مشرک‘ کافر‘ بُت پرست‘ یہودی‘ آتش پرست‘ نصرانی‘ پارسی اور لادین بنا ڈالا۔

اگر آپ میری تاریخ پر نظر ڈالیں تو اس کائنات میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ وہ اللہ کے نیک بندے اور اُس کے نبی تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے تک مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ میں اللہ کے ساتھ شرک بھی کر سکتا ہوں۔ یہ تو مجھے اُس وقت پتا چلا جب میں نے حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں قدم رکھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں مَیں ایک اللہ کو بھلا کر شرک پر اتر آیا تھا اور اللہ کے سوا اور بہت سے معبود بنا لیے تھے‘ جن میں سرِ فہرست وَدّ‘ سواع‘ یغوث‘ یعوق اور نسر تھے۔ تب اللہ نے میری اصلاح کے لیے مجھ ہی میں سے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک مجھے ایک اللہ کی طرف بلایا‘ لیکن میں اس وقت پور پور شرک میں ڈوبا ہوا تھا‘ اس لیے ان کی دعوتِ حق پر کان نہ دھرا (بہت کم انسان حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لائے تھے) جس کا نتیجہ میری (مشرکوں کی) مکمل تباہی کی صورت میں نکلا۔ روئے زمین پر کوئی مشرک زندہ نہیں رہا۔ مگر کب تک؟ ــــــ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد میں دوبارہ اسی شرک کی روش پر چل نکلا۔

جب میں دوبارہ اسی روش پر چل نکلا تو اللہ نے ایک مرتبہ پھر میری اصلاح کے لیے

حضرت ادریس علیہ السلام کو منتخب کیا‘ لیکن میں نے ان کی تعلیمات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر جب حضرت ادریس علیہ السلام نے دیکھا کہ مجھ پر ان کی تعلیمات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو وہ اللہ کے حکم سے اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ مصر کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کی بدولت اللہ نے مجھے علمِ حکمت و نجوم سکھایا۔ اَفلاک اور ان کی تراکیب‘ کواکب اور ان کے اجتماع و افتراق کے نکات اور ان کی باہم کشش کے رموز و اَسرار کی تعلیم دی۔ اگر حضرت ادریس علیہ السلام کی بدولت اللہ نے مجھے یہ علوم نہ سکھائے ہوتے تو ان تک میری رسائی مشکل تھی۔ لیکن حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد بجائے اس کے کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا‘ میں نے کافرانہ روش اختیار کی اور اللہ کے سوا اور بہت سے معبود بنا لیے۔

انسانی ارتقاء کے اس دور میں میری شان و شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس دور میں میں اپنی جسمانی قوت و صولت کے غرور میں ایسا چمکا کہ ایک اللہ کو ہی بھلا ڈالا‘ تو اللہ نے میری اصلاح کے لیے مجھ ہی میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ایک مرتبہ پھر مجھے ایک اللہ کی طرف بلایا...... تب مجھے سمجھ نہیں آیا کہ آخر ایک اللہ کی پرستش کیسے اور کیونکر کی جائے‘ کیونکہ میں نے اپنے آباء واَجداد کو کئی خداؤں کو پوجتے دیکھا تھا۔ چنانچہ حضرت نوح و ادریس علیہما السلام کے بعد میں نے حضرت ہود علیہ السلام کی مخالفت شروع کر دی۔ انہیں ہر طرح سے تنگ کیا‘ ان کی تکذیب و تذلیل کی۔ تب غیرتِ حق حرکت میں آئی اور عذابِ الٰہی کی پہلی شکل خشک سالی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ تب میں بڑا پریشان ہوا‘ لیکن پھر بھی حضرت ہود علیہ السلام کے خدا پر ایمان نہ لایا اور کفر پر اڑا رہا۔ پھر اللہ نے مجھ پر ہولناک قسم کا عذاب بھیجا...... آٹھ دن اور سات راتیں تند و تیز ہوا کے طوفان اٹھے اور پوری آبادی کو تہ و بالا کر ڈالا۔ میں جو اپنی جسمانی قوت کے گھمنڈ میں سرکشی پر اتر آیا تھا اس طرح پڑا تھا جیسے آندھی سے تناور درخت بے جان ہو کر گر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو عذاب سے محفوظ رکھا اور مجھے آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنا ڈالا۔ قرآن مجید میں میرا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے:

> ’’اور (اسی طرح ہم نے) قومِ عاد میں اس کے بھائی بندوں میں سے ہودؑ کو بھیجا‘ اس نے کہا: ’’اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو‘ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں‘ کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے؟‘‘ اس پر قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے

جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا' کہا: ''ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو''۔ (ہودؑ نے) کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! میں احمق نہیں ہوں بلکہ میں تو اُس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' فرستادہ ہوں۔ میں اُس کا پیام تمہیں پہنچاتا ہوں اور یقین کرو کہ میں تمہیں دیانتداری کے ساتھ نصیحت کرنے والا ہوں۔ کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعے تمہارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی جو خود تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے۔ اور اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ قومِ نوح کے بعد اس نے تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تمہاری نسل کو زیادہ وسعت و توانائی بخشی۔ پس چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد سے غافل نہ ہو تاکہ ہر طرح سے کامیاب ہو''۔ انہوں نے کہا: ''کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک اللہ کے پجاری ہو جائیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو ہمیں وہ (عذاب) لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو''۔ ہودؑ نے کہا: ''یقین کرو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب واقع ہو گیا ہے (کہ عقلیں ماری گئی ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی کے حوالے کر رہے ہو) کیا ہے جس کی بنا پر تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو؟ محض چند نام جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے گھڑ لیے ہیں اور جن کے لیے اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ اچھا (آنے والے وقت کا) انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا''۔ پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہودؑ کو اور اُس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا' اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان کی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے۔''

(الاعراف: ۶۵ تا ۷۳)

قومِ عاد کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ثمود کی صورت میں خلافت عطا کی اور جب مجھے دوبارہ سے طاقت و قوت حاصل ہو گئی تو میں نے اللہ کے ساتھ شراکت دار ٹھہرا لیے۔ اس بار اللہ نے میری اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو منتخب کیا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے مجھے ایک اللہ کی دعوت دی' لیکن قومِ نوح اور قومِ عاد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے میں نے ان کی تعلیمات ماننے سے یکسر انکار کر دیا اور ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ میرے مطالبے کے جواب میں اللہ نے ایک گابھن اونٹنی ایک چٹان میں سے برآمد کر دی' لیکن میری نادانی اور کفر کی انتہا دیکھیں کہ میں نے اسے معجزہ ماننے سے انکار کر دیا اور اسے قتل

کر دیا۔ بس وہیں سے میری تباہی کا آغاز ہوا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے مجھے تین دن کی مہلت دی۔ ٹھیک تین دن بعد یومِ موعود آ پہنچا اور رات کے وقت' ایک ہیبت ناک آواز' نے ہر شخص کو اسی حالت میں ہلاک کر دیا جس میں وہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سرکشی اور غرور کا انجام ظاہر کرنے کے لیے مجھے آنے والی نسلوں کے سامنے عبرت کا نشان بنا دیا۔ دوسری طرف حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیرو مسلمانوں کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور عذاب سے محفوظ رکھا۔ میرے اس انجام کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''اور (اسی طرح) ہم نے قومِ ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالحؑ کو بھیجا' اُس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل تمہارے سامنے آ چکی ہے۔ یہ اللہ کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لیے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے' پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرے' اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش میں) عذابِ جانکاہ تمہیں آ پکڑے۔ اور وہ وقت یاد کرو کہ اللہ نے تمہیں قومِ عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور اس زمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنے گھر بنا لیتے ہو (یہ اُس کا تم پر احسان ہے) پس اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کرو' اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ''۔ قوم کے جن سربرآوردہ لوگوں کو (اپنی طاقت و دولت کا) گھمنڈ تھا انہوں نے مؤمنوں سے کہا' اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں (افلاس و بیچارگی کی وجہ سے) کمزور و حقیر سمجھتے تھے: ''کیا تم نے سچ مچ معلوم کر لیا ہے کہ صالحؑ اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی نہیں دیتی)''۔ انہوں نے کہا: ''ہاں! بیشک جس پیامِ حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے' ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں''۔ اس پر گھمنڈ کرنے والوں نے کہا: ''تمہیں جس بات کا یقین ہے ہمیں اس سے انکار ہے''۔ غرضیکہ انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی۔ اور انہوں نے کہا: ''اے صالحؑ! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو تو اب وہ (عذاب) ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں خوف دلایا تھا''۔ پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔ پھر صالحؑ ان سے کنارہ کش ہو گیا' اس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار کا پیام تمہیں پہنچایا اور نصیحت کی' مگر افسوس تم پر! تم نصیحت

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔‘‘ (الاعراف:۷۳تا۷۹)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ثمود کے بعد مجھے پھر خلافت بخشی‘ مگر میں اپنی اسی روش یعنی کفر پر قائم رہا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں اپنے ہاتھوں سے بُت تراشتا تھا اور انھیں پوجتا تھا۔ مگر آخر کب تک؟—— آخر اللہ نے کفر کے اس سلسلہ کو روکنے کے لیے ایک عظیم رسول بھیجا۔ ایک ایسا رسول جن کے متعلق قرآن یہ کہتا ہے کہ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے‘ ایک ایسا رسول جنہوں نے اللہ کے ہر فیصلے کے آگے بے چون وچرا سرِ تسلیم خم کیا‘ ایک ایسا رسول جنہیں اللہ پر ایسا یقین تھا کہ وہ اللہ کے لیے بے خوف وخطر آگ کے دریا میں کود گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد کو حق کی دعوت دی مگر وہ شرک پر قائم رہا۔ پھر آپؑ نے عوام الناس تک دینِ حق پہنچایا‘ مگر کسی نے دعوتِ حق پر لبیک نہ کہا‘ سوائے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے۔ آخر کار آپؑ نے اللہ کے حکم سے ہجرت کا ارادہ کیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بابل سے ہجرت کر گئے۔ اوّل مصر اور اس کے بعد فلسطین کو اپنا وطن بنایا۔ حضرت لوط علیہ السلام مصر سے اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ کی طرف چلے گئے اور دینِ حنیف کی تبلیغ کرتے رہے۔

سدوم کے لوگ اس زمانہ میں اس قدر فواحش‘ معصیتوں اور اخلاق سوز حرکات میں مبتلا تھے کہ الامان والحفیظ۔ دنیا کی کون سی ایسی برائی تھی جو ان میں موجود نہ تھی؟...... انسانیت اس بستی میں سسک رہی تھی (جیسے آج کراچی میں سسک رہی ہے)۔ دنیا کی سرکش‘ متمرد اور بداخلاق اقوام کے تمام عیوب اس قوم میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ اہلِ سدوم ایک خبیث عمل کے موجد بھی تھے۔ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے عورتوں کی بجائے نوجوان لڑکوں سے اختلاط کرتے تھے (دنیا کی قوموں میں اُس وقت تک قطعاً اس عمل کا کوئی رواج نہ تھا۔ یہی بدبخت قوم ہے جس نے یہ ناپاک عمل ایجاد کیا۔ یہ عمل آج کی اس نام نہاد ترقی یافتہ دنیا میں غیر مسلم بستیوں کے ساتھ ساتھ مسلم بستیوں میں بھی جاری ہے اور بعض ممالک میں اسے حکومتی سرپرستی حاصل ہے‘ جیسے لوط علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔) اس کے علاوہ یہ لوگ مسافروں کو لوٹنے اور راہزنی کے لیے بھی بڑے مشہور تھے۔ بے حیائی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہ سمجھتے تھے‘ بلکہ علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس عمل کو اپنی مجالس میں کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان الفاظ میں اللہ کی تعلیمات انسانوں تک پہنچائیں:

’’اور لوطؑ (کا واقعہ یاد کرو) جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: ’’کیا تم ایسے فحش کام میں مشغول ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ یہ کہ تم عورتوں کے بجائے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ یقیناً تم حد سے گزرنے والے ہو۔‘‘ (الاعراف:۸۰‘۸۱)

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج وثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا۔ الٹا وہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے خاندان کو اپنی بستی سے نکال باہر کرنے کے درپے ہو گئے:

’’اور اس (لوطؑ) کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے: ’’ان (لوطؑ اور اس کے خاندان) کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔‘‘ (الاعراف:۸۲)

آخر عذابِ الٰہی کا وقت آ پہنچا۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت سدوم سے رخصت ہو گئے‘ جبکہ ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کر دیا اور راستہ ہی سے لوٹ کر واپس سدوم آ گئی۔ رات کے آخری پہر ایک ہیبت ناک چیخ نے اہلِ سدوم کو تہ وبالا کر ڈالا اور پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا ڈالا۔ اس پورے واقعہ کو قرآن نے آنے والے انسانوں کی رہنمائی کے لیے سورۃ الحجر میں اس طرح بیان کیا ہے:

’’پھر جب ایسا ہوا کہ بھیجے ہوئے (فرشتے) خاندانِ لوط کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: ’’تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو‘‘۔ انہوں نے کہا: (نہیں یہ بات نہیں ہے) بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کیا کرتے تھے (یعنی ہلاکت کے ظہور کی خبر جس کا لوگوں کو یقین نہ تھا)۔ ہمارا آنا ایک امرِ حق کے لیے ہے اور ہم اپنے بیان میں سچے ہیں۔ پس چاہیے کہ کچھ رات رہے اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جاؤ اور ان کے پیچھے قدم اٹھاؤ‘ اور اس بات کا خیال رکھو کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں جانے کا حکم دیا گیا ہے اُسی طرف چلے جاؤ۔ غرضیکہ ہم نے لوطؑ پر حقیقت واضح کر دی کہ ہلاکت کا ظہور ہونے والا ہے اور باشندگانِ شہر کی بیخ وبنیاد صبح ہوتے ہی اُکھڑ جانے والی ہے۔ اور اس (اثنا میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے آ پہنچے۔ (لوطؑ نے) کہا: ’’دیکھو یہ (نئے آدمی) میرے مہمان ہیں‘ تم میری فضیحت نہ کرو‘ اللہ سے ڈرو‘ تم میری رسوائی کے کیوں درپے ہو گئے ہو؟‘‘ انہوں نے کہا: کیا ہم نے تجھے سارے جہاں (کی طرف داری) سے روک نہیں دیا تھا۔ (لوطؑ نے) کہا: ’’اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو دیکھو یہ میری بیٹیاں (کھڑی) ہیں (یعنی

باشندگانِ شہر کی بیویاں جن کی طرف وہ ملتفت نہ ہوتے تھے) ان کی طرف ملتفت ہوجاؤ۔ (تب فرشتوں نے لوطؑ سے کہا) تمہاری زندگی کی قسم' یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے گئے ہیں (تمہاری بات ماننے والے نہیں)۔ غرضیکہ سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک آواز نے انہیں آلیا' پس ہم نے وہ بستی زیروزبر کر ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کی۔ بلاشبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو (حقیقت کی) پہچان رکھنے والے ہیں۔'' (الحجر: ۶۱ تا ۷۵)

ایک طرف اللہ تعالیٰ نے مجھے اہلِ سدوم کی صورت میں میری نافرمانی کی سزا دی تو دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی صورت میں مجھے خلافتِ ارضی عطا کی۔ اس خلافت کا سلسلہ حضرت اسماعیل و اسحاق علیہما السلام سے شروع ہوکر' حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام سے ہوتا ہوا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام تک جاتا ہے' اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ اس پورے سلسلہ کے دوران اللہ نے میری (بنی اسرائیل کی) طرف بے شمار انبیاء بھیجے۔ میں نے ان میں سے کچھ انبیاء علیہم السلام کو ماننے سے انکار کر دیا' حتیٰ کہ بعض کو قتل کر ڈالا (بالخصوص حضرت یحییٰ علیہ السلام کو)۔ کچھ پر ایمان لایا تو ان سے بے جا مطالبات کیے اور ان کے بعد ان کی تعلیمات کو بھلا بیٹھا۔ کسی (حضرت عزیر و عیسیٰ علیہما السلام) کو اللہ کا بیٹا بنا ڈالا اور کسی کو خدا کے برابر ہی لا کھڑا کیا (عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث)۔ یہاں میں آج کے انسان اور اس کے کرتوتوں کی طرف بڑھنے سے پہلے اس زمانے کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جب اللہ نے اہلِ سدوم کی ہلاکت کے بعد مجھے مدین میں خلافت عطا کی۔

خلافت کا ملنا تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر اللہ کی نافرمانی اور معصیت پر اتر آیا۔ میں اپنی بداعمالیوں میں اس قدر سرمست و سرشار تھا کہ مجھے ایک لحہ کے لیے بھی یہ احساس نہ ہوا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ معصیت اور گناہ ہے' بلکہ میں اپنے ان اعمال کو باعثِ فخر سمجھتا تھا۔

اس زمانے میں میں جن قبیح امور میں مبتلا تھا ان میں بُت پرستی اور مشرکانہ رسوم' خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم ناپ تول' معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی مشہور تھے۔

آخر غیرتِ حق حرکت میں آئی اور سنت اللہ کے مطابق مجھے راہِ حق دکھانے' فسق و فجور سے بچانے اور امین و متقی اور بااخلاق بنانے کے لیے مجھ ہی میں سے ایک ہستی کو چُن لیا گیا۔ ان کو شرفِ نبوت و رسالت سے نواز کر دعوتِ اسلام اور پیغامِ حق کا امام بنایا گیا۔ وہ برگزیدہ ہستی حضرت شعیب علیہ السلام کی ذاتِ گرامی تھی۔

لیکن میں نے گزشتہ اقوام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام کی تعلیمات کو ماننے سے صاف انکار کر دیا اور ہر طرح سے ان کی تکذیب و تذلیل کی۔ ان کو جھوٹا اور کاذب کہا۔ آخر وہی ہوا جو قانونِ الٰہی کا ابدی و سرمدی فیصلہ ہے۔ یعنی حجت کی روشنی آنے کے بعد بھی جب میں باطل پر مصر رہا' صداقت کا مذاق اڑاتا رہا اور اس کی اشاعت میں رکاوٹ ڈالی تو اللہ کے عذاب نے میری اس مجرمانہ زندگی کا یکبارگی خاتمہ کر دیا اور آنے والے انسانوں کے لیے مجھے عبرت کا نشان بنا دیا۔ قرآن نے میری اس زندگی کا خاکہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

''اور ہم نے (قبیلہ) مدین کی طرف اس کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خوشحال ہو (یعنی اللہ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے' پس کفرانِ نعمت سے بچو) میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب پر چھا جائے گا۔ اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو' لوگوں کو ان کی چیزیں (ان کے حق سے) کم نہ دو' ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اگر تم میرا کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں) بچ رہے اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے۔ اور دیکھو (میرا کام تو نصیحت کر دینا ہے) میں تم پر نگہبان نہیں (کہ جبراً اپنی راہ چلا دوں)''۔ لوگوں نے کہا: ''اے شعیب! کیا تیری یہ نمازیں (جو تو اپنے پروردگار کے لیے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہمیں آکر کہے کہ ان معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں' یا یہ کہ ہمیں اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح کا تصرف چاہیں کریں؟ بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو!'' شعیبؑ نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اس کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ مجھے اچھی (سے اچھی) روزی عطا فرما رہا ہو (تو پھر بھی میں چپ رہوں اور تمہیں راہِ حق کی طرف نہ بلاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکوں خود اس کے خلاف چلوں۔ (میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں۔) میں اسکے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاحِ حال کی کوشش کروں۔ میرا کام بنتا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے' میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم کے لوگو! میری ضد میں آکر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آجائے جیسا قومِ نوح کو یا قومِ ہود کو یا قومِ صالح کو

پیش آ چکا ہے‘ اور قوم لوط (کا معاملہ) تم سے کچھ دور نہیں۔ اور دیکھو اللہ سے (اپنے گناہوں کی) معافی مانگو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ یقیناً میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا بڑا ہی محبت والا ہے‘‘۔ لوگوں نے کہا: ’’اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں‘ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک کمزور آدمی ہو‘ اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیتے‘ تمہاری ہمارے سامنے کوئی ہستی نہیں‘‘۔ شعیبؑ نے کہا: ’’اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ تمہارے لیے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ جو کچھ تم کرتے ہو وہ میرے پروردگار کے احاطہ (علم) سے باہر نہیں۔ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ‘ میں بھی اپنی جگہ سرگرمِ عمل ہوں‘ بہت جلد معلوم کر لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے۔ انتظار کرو‘ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں‘‘۔ اور پھر جب ہماری ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آ پہنچا تو ایسا ہوا کہ ہم نے شعیبؑ کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے‘ اپنی رحمت سے بچا لیا‘ اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز نے آ پکڑا‘ پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ (وہ اس طرح اچانک ہلاک ہو گئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے! تو سن رکھو‘ قبیلہ مدین کے لیے بھی محرومی ہوئی جس طرح ثمود کے لیے محرومی ہوئی تھی۔‘‘ (ہود: ۸۴ تا ۹۵)

یہ تھے وہ تمام قبیح افعال (کم و بیش) جن میں میں گزشتہ زمانوں میں گرفتار رہا تھا اور جن کی وجہ سے مختلف مواقع پر اللہ کے عذاب سے دوچار ہو چکا تھا۔ (صرف حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے توبہ کی تھی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تھی اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھا تھا۔) ان اقوام کے علاوہ اور بھی بہت سے اچھے اور بُرے لوگ گزرے ہیں جن میں اصحاب الجنۃ‘ اصحاب القریہ‘ اصحابِ سبت‘ اصحاب الرس‘ ذوالقرنین‘ اصحاب الکھف والرقیم‘ سبا‘ اصحابِ اخدود اور اصحاب الفیل بہت مشہور ہیں (ان میں جو برے لوگ تھے ان کے بھی وہی اعمال تھے جو ان سے گزشتہ لوگوں کے تھے۔)

اب میں بات کروں گا آج کے انسان کی‘ اکیسویں صدی کے انسان کی —— اپنی اور آپ کی۔

میں نے آج تاریخ کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اپنا یہ چہرہ دیکھیں‘ کیونکہ آپ بھی انسان ہیں اور میں بھی۔ تو آئیں ہم مل کر دیکھتے ہیں کہ آج کے انسان کا چہرہ کس قدر کریہہ ہے‘ مکروفریب نے ہمارے چہرے کا کیا حال کر دیا ہے۔

آج دنیا کے ہر خطے کے انسان کا ایک ہی حال ہے‘ اس لیے اگر میں کسی ایک خطہ کی بات کروں تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ میں آج کی دنیا کی بات کر رہا ہوں۔ میں بات کروں گا پاکستان کی...... پاکستان کے شہر کراچی کی...... کراچی میں بسنے والے انسانوں کی...... آپ کی اور اپنی۔

ابھی میں نے آپ کو بتایا ہے کہ گزشتہ اقوام بت پرستی کا شکار رہی ہیں جن کی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ آج اہلِ کراچی ’’انسان پرستی‘‘ کا شکار ہیں۔ گزشتہ لوگ پتھر کے بتوں کو پوجتے تھے‘ آج ہم گوشت پوست کے انسانوں اور ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں کو پوجتے ہیں...... کیا ہم میں اور قومِ نوحؑ میں کوئی فرق باقی ہے؟ ہوسکتا ہے آپ کی نظر میں باقی ہو‘ لیکن میری نظر میں آج مجھ میں اور قومِ نوحؑ میں کوئی فرق نہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ قومِ نوحؑ پر پانی کا عذاب آیا تھا‘ آج ہم پر بھی ہر سال پانی کا عذاب آتا ہے جو اہلِ پاکستان کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے‘ مگر ہم ابھی تک آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ ۲۰۱۰ء میں پاکستان میں جو سیلاب آیا آپ کو یاد ہی ہوگا۔ اہلِ پاکستان کے لیے وہ طوفانِ نوح سے کم نہ تھا‘ مگر ہم پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔☆

کیا آج کا انسان قومِ عاد و ثمود کے ہم پلہ نہیں؟ جیسے وہ اپنی جسمانی قوت و طاقت کے گھمنڈ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے منکر تھے کیا وہی حال آج کے انسان کا نہیں؟ میرا اور آپ کا نہیں؟ کیا آج ہم ظالم نہیں؟...... ہوسکتا ہے آپ کہیں کہ ہم ظالم نہیں ہیں‘ بلکہ آج ہم (مسلمانوں) پر تو ظلم ہو رہا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ یہ کہہ کر اپنے آپ کو دلاسہ دیں کہ کراچی آئے دن آگ اور خون میں نہاتا ہے‘ لوگوں کی جانیں اور املاک محفوظ نہیں۔ ایک کراچی ہی کیا‘ ساری دنیا میں مسلمان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے‘ اس لیے ہم تو ظالم نہ ہوئے......! مگر میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ آج ہم (خاص طور پر اہلِ کراچی اور عام طور پر ساری دنیا) ظالم ہیں۔

☆ موجودہ سال ۲۰۱۱ء میں بھی تقریباً پورا صوبہ سندھ پانی کے سیلاب میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کی تباہ کاریاں ابھی جاری و ساری ہیں۔ (ادارہ)

انسان (ہم) یہ سمجھتا ہے کہ ظلم صرف یہ ہے کہ کسی کا مال ناحق کھا لینا' کسی کی جان لے لینا یا اس طرح کے دیگر افعال......مگر میرے بھائیو! اصل میں ظلم یہ ہے کہ ''کسی کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا۔''

آج ہم نے اللہ کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا دیا ہے۔ آج ہم نے اللہ کو خود سے بہت دُور کر دیا ہے۔ آج ہمارے اور اللہ کے درمیان ہمارے خود پیدا کردہ گوشت پوست یا ہڈی ڈھانچوں کے بہت سے ''وسیلے'' موجود ہیں۔ آج ہم نے اللہ کو خود سے اتنا دور کر دیا ہے کہ وہ ہمیں نظر ہی نہیں آتا۔ آج ہم نے انسانوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے ساتھ بھی ظلم کی انتہا کر دی ہے......اور یہی اصل میں ظلم ہے۔ قرآن دوٹوک کہتا ہے کہ ''شرک عظیم ظلم ہے''۔ مگر ہم قرآن کو پڑھتے تو ہیں مگر قرآن کو سمجھتے نہیں کہ وہ ہم سے کیا کہہ رہا ہے۔ بعض اسے سمجھتے ہیں تو اسے مانتے نہیں......اور یہ قرآن کے ساتھ ظلم ہے۔

قومِ عاد و ثمود بھی اللہ کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔ قومِ ثمود کو اللہ نے معجزہ دیا تھا' انہوں نے اس کا انکار کیا' اللہ نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔ اللہ نے ہمیں بھی معجزہ ''قرآن'' دیا ہے' ہم نے اس کا انکار کیا (قرآن کے احکامات پر عمل نہ کرنا اس کا انکار ہی تو ہے۔) اگر ہم آخری امت نہ ہوتے تو اللہ ہمیں بھی صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالتا' مگر ہم آخری امت ہیں' اس لیے وہ ہمیں ختم کرنے کے بجائے مختلف اَقسام کے عذابوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ مثلاً آج کل اہلِ پاکستان بالخصوص اہلِ کراچی پر خوف کا عذاب آیا ہوا ہے' ان کی جان اور مال محفوظ نہیں ہے۔ اہلِ پاکستان پر مہنگائی' بجلی' پانی اور دہشت گردی کا عذاب آیا ہوا ہے۔ آج دنیا کہیں بھوک کے عذاب میں مبتلا ہے تو کہیں خوف کا عذاب ہے' کہیں آتش و آہن برس رہے ہیں۔ کہیں زمین خوفناک چنگاڑھ کے ساتھ بستیوں کو تہس نہس کر رہی ہے تو کہیں سمندر اُبل کر آبادیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا رہا ہے (۲۰۰۴ء میں انڈونیشیا میں سونامی آیا اور دو لاکھ تیس ہزار سے زائد اموات ہوئیں' ۲۰۰۵ء میں کشمیر میں زلزلہ آیا اور ایک لاکھ کے قریب اموات ہوئیں' نیز پاکستان کے بہت سے علاقے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ ۲۰۰۸ء میں ایک بار پھر پاکستان میں زلزلہ آیا اور دو سو سے زائد انسان لقمۂ اجل بن گئے۔ ۲۰۱۰ء میں ہیٹی میں زلزلہ آیا اور تین لاکھ سولہ ہزار سے زائد انسان فنا ہو گئے۔ مارچ ۲۰۱۱ء میں جاپان میں زلزلہ اور سونامی آیا اور سولہ ہزار انسان لقمۂ اجل بنے......اور ابھی ۲۰۱۱ء میں بھی پاکستان میں پانی کے عذاب کی تباہی جاری و ساری ہے۔)

مگر آج کا انسان اب بھی ماننے کو تیار نہیں۔ کہیں اللہ ہی کو نہیں مان رہا' کہیں اللہ کی نہیں مان رہا۔

گزشتہ اقوام کی سرکشی کا انجام ان کی مکمل تباہی پر ہوتا تھا' آج ہماری سرکشی کا انجام مختلف اقسام کے عذاب ہوتے ہیں۔

قومِ لوطؑ مردوں کے ساتھ شہوت رانی جیسے عظیم گناہ میں مبتلا تھی' یہ وبا آج کی اس ترقی یافتہ دنیا میں بھی پھیلی ہوئی ہے۔ غیر مسلم اقوام (جہاں ہم جنس پرستی کو حکومتی سرپرستی حاصل ہے اور جہاں مردوں کی آپس میں شادیوں کا رواج پروان چڑھ چکا ہے) کو تو چھوڑیئے' آج وہ انسان جو خود کو مسلمان کہتا ہے وہ بھی اس بدترین فعل میں مبتلا ہے۔ انٹرنیٹ پر بے شمار ایسی ویب سائٹس موجود ہیں جن پر پاکستان کے ہر شہر میں موجود ایسے لوگوں سے رابطہ کیا جاسکتا ہے جو اس قبیح فعل میں مبتلا ہیں۔ آج تقریباً ہر چوتھا پاکستانی کسی نہ کسی لحاظ سے اس بدترین کام میں ملوث ہے (میرے اس دعوے کی وہ لوگ یقیناً تصدیق کریں گے جنہوں نے ۱۰ سے ۲۰ سال کی عمر میں بسوں میں خاصا سفر کیا ہو' خاص طور سے اسٹوڈنٹس)۔ قومِ لوط نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ وہ راہزنی (جسے آج کا ترقی یافتہ انسان سٹریٹ کرائم کہتا ہے) کے لیے بھی بڑے مشہور تھے اور راہزنی اور ہم جنس پرستی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔

آج ساری دنیا بالخصوص کراچی کے لوگوں میں یہ دونوں بیماریاں بہت عام ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ کراچی کا کون سا ایسا علاقہ ہے جو ان دونوں جرائم سے پاک ہے؟ کون سی ایسی گلی ہے جو راہزنوں سے محفوظ ہے؟ کراچی میں شاید ہی کوئی شخص ہو جو اپنی ۲۰' ۲۵ سالہ زندگی میں راہزنوں کے ہاتھوں لٹنے سے محفوظ رہا ہو۔

جب قومِ لوطؑ ان اعمال کے سبب اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکی تو اے آج کے انسانو! تم کیسے اس کے عذاب سے بچ سکتے ہو؟ اسی لیے آج تم چاروں طرف سے اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو۔

گزشتہ اقوام کی طرح آج کا انسان بھی ان جرائم پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان لوگوں کی طرح آج کا انسان بھی سرکشی میں حد سے گزر چکا ہے۔ آج کا انسان بھی قومِ شعیبؑ کی طرح ناپ تول میں کمی کرتا ہے' خود پر ظلم کرتا ہے اور پھر اللہ کی رحمت کا طلب گار بھی ہوتا ہے۔

گزشتہ اقوام کی ہر برائی آج کے انسان میں بھی موجود ہے۔ وہ انبیاءؑ کو قتل کیا کرتے تھے' مسلمان ہو کر ہم علماءِ حق کو قتل کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے برابر لا کھڑا کیا' آج ہم میں سے ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا دیا ہے۔ یہودی جبریل امین علیہ السلام سے بغض رکھتے تھے' آج ہم میں سے ایک جماعت بھی ان سے بغض رکھتی ہے۔ یہودیوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنایا' آج ہم نے بھی اپنے دین کو کھیل تماشا بنایا ہوا ہے۔ گویا آج کا انسان گزشتہ اقوام کا ''نشرِ مکرر'' (repeat telecast) ہے۔ جب انسان کے اعمال کا نشر مکرر چل رہا ہے تو یقیناً اللہ کے عذاب کا بھی نشر مکرر چلے گا' اور وہ چل رہا ہے' مگر آج ہم ﴿صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡيٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ۝۱۸﴾ (البقرۃ) کی عملی تفسیر بنے ہوئے ہیں۔ نہ تو ہم دیکھتے ہیں' نہ سنتے ہیں' نہ سمجھتے ہیں' اور نہ ہی صراطِ مستقیم کی طرف آنے کو تیار ہیں۔ اگر ہمارے بعد کسی امت نے آنا ہوتا' اگر قرآن کے بعد کسی صحیفے نے نازل ہونا ہوتا' تو یقیناً وہ امت اپنی کتاب میں ہمارا ذکر ایک انتہائی سرکش قوم کے طور پر پاتی' جیسے ہم عاد' ثمود اور مدین والوں کا ذکر قرآن میں پاتے ہیں۔

اے غفلت میں ڈوبے ہوئے انسان! لوٹ آ!! تیرے پاس اب بھی وقت ہے...... ابھی سب کچھ ختم نہیں ہوا' ابھی مہلت ختم نہیں ہوئی' قبل اس کے کہ اللہ کا اٹل فیصلہ آ جائے' خدارا لوٹ آ۔ اپنے اندر قومِ یونسؑ کی صفت پیدا کر' انہوں نے عذابِ الٰہی کے آثار دیکھ کر اجتماعی توبہ کی تھی تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ آج تو بھی اجتماعی توبہ کر' دیکھنا اللہ تجھے بھی معاف کر دے گا۔ اللہ تجھے ان عذابوں سے نجات دلا دے گا جن میں تو آج اپنے اعمال کی وجہ سے گرفتار ہے۔ ایک مرتبہ توبہ تو کر کے دیکھ' ایک مرتبہ اللہ کی طرف بڑھ کر تو دیکھ' وہ تجھے ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ ایک مرتبہ خالص اللہ کو پکار کر تو دیکھ' وہ تمام بند دروازے کھول دے گا۔ ایک مرتبہ خالص اللہ کو مشکل کشا مان کر تو دیکھ' وہ تیری تمام حاجات پوری کر دے گا۔ ایک مرتبہ صبر اور شکر سے اللہ کو اللہ مان کر تو دیکھ' وہ تجھے تھام لے گا۔ اے کاش! آج اور بعد میں آنے والے انسان قومِ یونسؑ کے نقشِ قدم پر چل کر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتے ہوئے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

❁ ❁ ❁

فلسفۂ انقلاب کے نقطۂ نظر سے

سیرت النبی ﷺ کا اجمالی مطالعہ

منہج انقلاب نبویؐ

غارِ حرا کی تنہائیوں سے لے کر

مدینۃ النبیؐ میں اسلامی ریاست کی تشکیل

اور اس کی بین الاقوامی توسیع تک'

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل

بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے دس خطباتِ جمعہ کا مجموعہ

صفحات: 375 قیمت: اشاعت خاص: 400 روپے، اشاعت عام: 200 روپے

"منہجِ انقلابِ نبویؐ" کے مباحث کی تلخیص پر مشتمل کتابچہ

رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب

صفحات: 64 قیمت اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 20 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 3-35869501

بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی چند فکر انگیز تصانیف

داعی رجوع الی القرآن کا شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن
بیان القرآن
حصہ اول: صفحات: 360، قیمت 450 روپے
حصہ دوم: صفحات: 321، قیمت 400 روپے
حصہ سوم: صفحات: 331، قیمت 400 روپے

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے
حقیقت واقسامِ شرک
قیمت اشاعت عام: 50 روپے، خاص: 90 روپے

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم
منہج انقلاب نبویؐ
مجلد 400 روپے غیر مجلد 200 روپے

بعثتِ انبیاء کا اساسی مقصد
بعثتِ محمدیؐ کی اتمامی وتکمیلی شان
نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت
اشاعت خاص 40 روپے، عام 30 روپے

ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
دینی فرائض کا جامع تصور
اشاعت خاص 25 روپے، عام 15 روپے

ایمان کے لغوی اور شرعی معنی' ایمان کا فلسفہ' ایمان و عمل کا باہمی تعلق
اپنے موضوع پر لاثانی تحقیقی و فکری تصنیف
حقیقتِ ایمان
اشاعت خاص 120 روپے

سورۃ العصر کی روشنی میں
راہِ نجات
اشاعت خاص 45 روپے، عام 30 روپے

قربانی' ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟
عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی
اشاعت خاص 35 روپے، عام 20 روپے

اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل
اور نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت
مجلد 100 روپے، غیر مجلد 45 روپے

پاکستان اور ملت اسلامیہ کے حال اور مستقبل کے تناظر میں لکھے گئے فکر انگیز اخباری کالموں کا مجموعہ
بصائر
صفحات: 130 قیمت: 65 روپے

تحریکِ پاکستان کا تاریخی وسیاسی پس منظر، اسلامیانِ پاکستان کا تہذیبی وثقافتی پس منظر
اسلام اور پاکستان
اشاعت خاص 60 روپے، عام 35 روپے

برعظیم پاک و ہند میں
اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل
اور اس سے انحراف کی راہیں
اعلیٰ ایڈیشن 50 روپے

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی اور مقبول عام دستاویز جس کا انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی میں ترجمہ ہو چکا ہے
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص 45 روپے، عام 25 روپے

سابقہ اور موجودہ
مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل
اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری
اشاعت خاص 100 روپے

ڈاکٹر صاحب کے دو خطبات کا مجموعہ
اسلام میں عورت کا مقام
اشاعت خاص 80 روپے، عام 50 روپے

مفصل فہرست طلب کیجیے:

مکتبہ خدام القرآن 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: 3-042-35869501، فیکس: 042-35834000
email: maktaba@tanzeem.org

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن
پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول — سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات: 360، قیمت 450 روپے (پانچواں ایڈیشن)

حصہ دوم — سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم — سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
صفحات 331، قیمت 400 روپے

عمدہ طباعت — دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد — امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
18-A ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

گلے میں ہو خراش، آئے ورم یا آواز بیٹھ جائے

ہمدرد
شربت توت سیاہ

سردی آتے اور جاتے وقت گلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ایسے میں
گلے میں خراش، ورم آنے یا، آواز بیٹھ جانے
کی شکایات عام ہوتی ہیں۔ ہمدرد شربت توت سیاہ کی چند خوراکیں گلے کی
ان شکایات کا فوری خاتمہ کرتی ہیں۔ اب سردی آئے یا جائے۔ آپ
کے گلے کو کیا گلہ۔ کیونکہ آپ کو تو ہے ہمدرد شربت توت سیاہ ملا۔

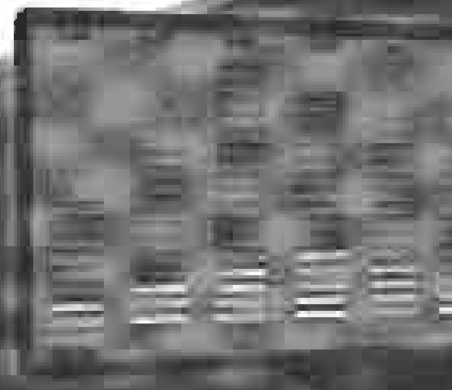

بولو کھل کھلا کے!